ایسی کی تیسی



نوید ظفر کیانی

بسم الله الرحمن الرحیم

ایسی کی تیسی

طنز و مزاح پر مبنی مجموعۂ کلام

نوید ظفر کیانی

مکتبۂ ارمغانِ ابتسام
http://naveedzafarkiani.wordpress.com
www.facebook.com/nzkiani

عمران خان کی لازوال مسکراہٹ کے نام

جسے ریکارڈ مقدمات اور غیر منصفانہ قید و بند بھی ماند نہ کر سکی

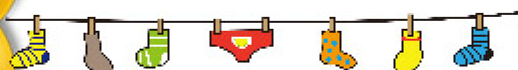


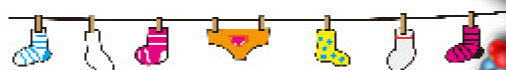
اُن فتنہ سازِ دہر کا اپنا ہی مکو ٹھپ چکا

جو کہتے تھے کپتان کی ایسی کی تیسی ہو گئی



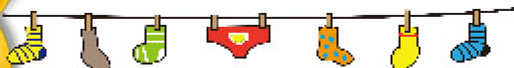
فہرست

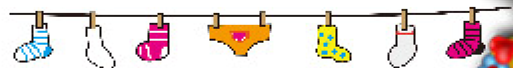




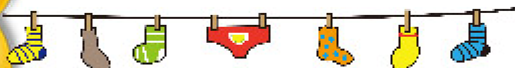

ایسی کی تیسی

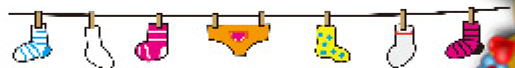

ایسی کی تیسی






ایسی کی تیسی

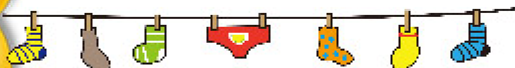


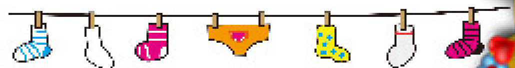



ایسی کی تیسی


ایسی کی تیسی


ایسی کی تیسی






ایسی کی تیسی





حمد

(لمرک)



حمد اُس خالق کی جس نے ایک سے انساں بنائے

عقل بخشی اور شعورِ ذات کے ساماں بنائے

کر سکی پر اپنی مت

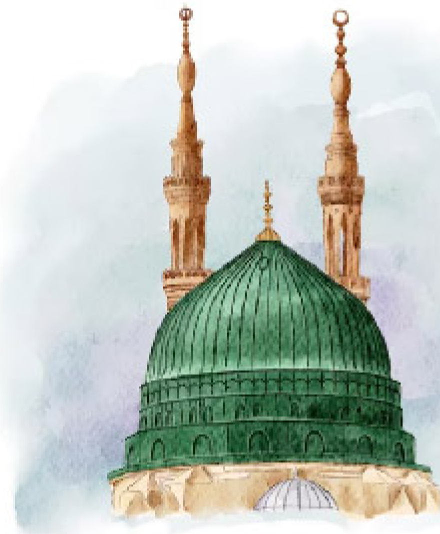
ہضم کب انسانیت

خود کو سیّد، چودھری، راجہ، وڈیرہ، خاں بنائے



نعت

(ترائیلے)



ہر مسلماں کی ہے ریڈ لائن فقط ذاتِ رسول ﷺ

اُن کی حرمت پر فدا ہم سب کا تن من دھن سدا

مولوی تو مولوی ''مچھ مُنے'' بھی اِس حد پہ کول

ہر مسلماں کی ہے ریڈ لائن فقط ذاتِ رسول ﷺ

خیر چاہیں دشمنِ ایماں تو پھر جائیں نہ بھول

شرطِ ایماں اور کیا ہے، بس محمد ﷺ سے وفا

ہر مسلماں کی ہے ریڈ لائن فقط ذاتِ رسول ﷺ

اُن کی حرمت پر فدا ہم سب کا تن من دھن سدا





کیوں خود جلیں اب اُن کو جلائے بغیر ہم
آ کوئے یار چل کے جلاتے ہیں ''ٹیر'' ہم

تیری گلی کے کتّے پھٹکنے نہ دیں قریب
تو اب کیا اُن سے رکھیں رقیبوں کا بیر ہم

گھر والی ''ٹام'' اُن کو بھی ''جیری'' بنائے تھی
آئے تھے خان صاحب سے سننے ''پچخیر'' ہم

تو گویا یہ بھی عشق کی مجبوری بن گیا
گوری کی شکل دیکھ کے دیکھیں نہ پیر ہم





اِس واسطے تو حوصلے دشمن کے بڑھ گئے
کرتے نہیں ہیں اُن پہ جواباً جو ''فیر'' ہم

ساون ہے اور پنڈی کا ساون ہے ہائے ہائے
اب جاتے ہیں اِدھر سے اُدھر تیر تیر ہم

دِل بھی بہ فیضِ حسن بنا ہے صنم کدہ
سو رکھتے ہیں دیارِ حرم میں بھی دیر ہم

حالات اپنے شہر کے اب اِس نہج پہ ہیں
شکرانہ ہوگا واجب جو لوٹے بخیر ہم

تعلیم و تربیت کو سیاست جو ہے ظفرؔ
جاتے ہیں یونیورسٹی میں کرنے کو سیر ہم







سب لگے ہیں اپنی اپنی دوڑ پر
اور ہم ہیں کب سے نازک موڑ پر

اِک بطخ نے مجھ سے اٹھلا کر کہا
تیری ماں بہنیں نہیں کیا؟ چھوڑ، پر!

ڈھیٹ پن کا ہے زمانہ کیا کریں
شرم کیوں آئے کسی بھی کھوڑ پر

میرا ارماں ہے کوئی ککڑی نہیں
کھینچ اُس کی کھال نہ بھنبھوڑ پر



کچھ تو جل ککڑ ضمیروں کو جگا
اُن کے کانوں کو پکڑ جھنجھوڑ پر

اب حقیقی مقتدر ہیں نیوٹرل
ساتھ دے کر رشتۂ بے جوڑ پر

دو بٹا بتیس ہیں اس کے دانت بھی
ہنس رہا تھا جو ہمارے "بوڑ" پر

بھاگنے نہ پائے گا لنگر مرا
ناکہ لگ جائے اگر باجوڑ پر

تجھ کو اُڑنا ہے بہر صورت ظفرؔ
اُگ نہیں پاتے تو بے شک اوڑھ پر





سسرال کا تماشا

(نظیر اکبر آبادی کی نظم "دنیا کا تماشا" کی پیروڈی)

یہ جتنا سسروں کا اب جا بجا تماشا ہے
جو غور کی تو یہ سب ایک سا تماشا ہے
نہ جانو کم اِسے یارو بڑا تماشا ہے
جسے ٹٹولیئے وہ اِک نیا تماشا ہے
غرض میں کیا کہوں سسرال کیا تماشا ہے

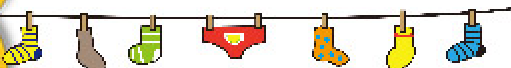
جسے بھی دیکھئے ہر پیچ اُس کا ہے ڈھیلا
کسے بتاؤں میں اُلٹا، کسے کہوں سیدھا
یہ وہ تماشا ہے جس کو کسی نے کب سمجھا
عجیب "زُوؔ" کی یہ اِک سیر ہے اہا ہا ہا!
غرض میں کیا کہوں سسرال کیا تماشا ہے

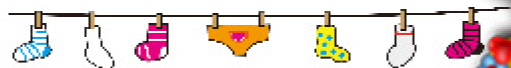


یہ ساس ہیں کہ جو لفظوں کی کُشتی لڑتی ہیں
ہو ریسلر بھی مقابل تو کب پچھڑتی ہیں
ہمیشہ گچی سے داماد کو پکڑتی ہیں
اِنہیں سنبھالنا مشکل ہے جب بگڑتی ہیں
غرض میں کیا کہوں سسرال کیا تماشا ہے

یوں دیکھنے میں تو پاؤں پہ چلتی پھرتی ہیں
حقیقتوں میں وہ کاندھے بدلتی پھرتی ہیں
دلِ داماد کو ہر دم مسلتی پھرتی ہیں
ہر ایک بات پہ کیا کیا اچھلتی پھرتی ہیں
غرض میں کیا کہوں سسرال کیا تماشا ہے

وہ جو لگا کے یہ ساری دوکان بیٹھے ہیں
ٹکائے سب کی ہی باتوں پہ کان بیٹھے ہیں
سسر ہیں اور بنے پاسبان بیٹھے ہیں
عجیب شان ہے، لگتا ہے ڈان بیٹھے ہیں
غرض میں کیا کہوں سسرال کیا تماشا ہے



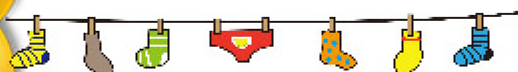


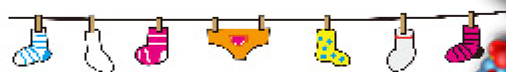


یوں پیشِ ساس تو حضرت نرے لنڈورے ہیں
مگر یہ اپنے تئیں تو گھنوں کے پورے ہیں
خیالِ خام ہے داماد کا کہ نورے ہیں
بہت بُری طرح گستاخیوں پہ گھورے ہیں
غرض میں کیا کہوں سسرال کیا تماشا ہے

یہ سالے ہیں جو بڑے رعب سے پکارے ہیں
اُگے نہیں ہیں مگر فارسی بگھارے ہیں
بدیسی فلموں کے ہیرو کی شکل دھارے ہیں
وہ مینڈکی ہیں جو ہاتھی کو لات مارے ہیں
غرض میں کیا کہوں سسرال کیا تماشا ہے

پڑھائی میں نہیں لگتا ہے اِن کا من یکسر
لگائے رکھتے ہیں سیل فون اپنے کانوں پر
ہمیشہ محو اِسی دھندے میں ہیں شام وسحر
پھر اِن کو فکر کسی اور کی رہے کیونکر
غرض میں کیا کہوں سسرال کیا تماشا ہے







یہ سالی ہے جو ادائیں لٹاتی پھرتی ہے
نہ منہ نہ متھا ہے، پھر بھی دکھاتی پھرتی ہے
دوکان بیوٹی کی منہ پر اُٹھائے پھرتی ہے
حجاب آتا نہیں پر لجائے پھرتی ہے
غرض میں کیا کہوں سسرال کیا تماشا ہے

ہمیشہ ٹھینگے پہ دھرتی ہے دُولہا بھائی کو
کہ جیسے خان نہیں ہو وہ خاناماں ہو
سو چڑ مرایا سا ہے نفسیاتی طور پہ وہ
وہاں پہ اِس کو فقط خاناماں ہی سمجھو
غرض میں کیا کہوں سسرال کیا تماشا ہے



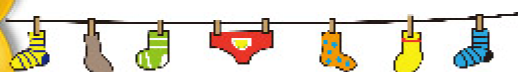


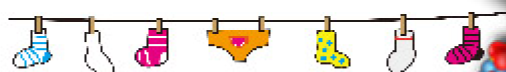
آخرش پتلی گلی سے بھی نکل سکتا تھا
تم اُسے ٹالنا چاہتے تو وہ ٹل سکتا تھا

اہلِ ملتان بھی پنڈی میں تھے ہفیائے ہوئے
اِتنی گرمی تھی کہ انڈہ بھی اُبل سکتا تھا

تیرے نخروں نے بنایا میرے جذبوں کا اچار
اِس مسالے میں تو ہر خواب ہی گل سکتا تھا

جانو مانو کو عبث کال ملاتا تھا کوئی
شب گزاری کے لئے پڑھ تو نفل سکتا تھا







اِتنا لیچڑ بھی کوئی ہم نے کہاں دیکھا ہے
اُس کی باتوں پہ پڑے ردِ عمل "سکتہ" تھا

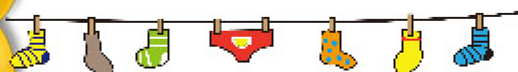
بدنصیبی ہے جو اِس قوم کا دانشور تھا
وہ کسی اور کے آنگن میں ہی پھل سکتا تھا

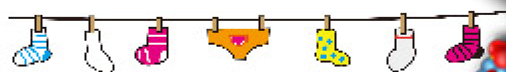
اِس قدر ڈیموکریسی کا تھا اُس میں کیڑا
جانتے بوجھتے مکھی کو نگل سکتا تھا

خوب نہ تھا میری چنگ چی سے تو پیدل چلنا
"تم کو جلدی تھی، کوئی حل بھی نکل سکتا تھا"

تم مجھے بھونڈ سمجھتے ہو، اُسے تو دیکھو
ایسا چکنا ہے کہ ہر کوئی پھسل سکتا تھا

حسن ہرنی ہی سہی، عشق کوئی بَیل ہی سہی
رشتۂ دردِ تعلق میں تو ڈھل سکتا تھا









نہ مارے پریت، ایسا تو نہیں ہے
یہ سُم امریت ایسا تو نہیں ہے

کروں میں پاپ گانے ہضم سب کے
یہ سُر سنگیت ایسا تو نہیں ہے

جو اُکسائے گدھے کو رینکنے پر
ہمارا گیت ایسا تو نہیں ہے

دولتی جھاڑتا ہے گا ہے گاہے
اگرچہ میت ایسا تو نہیں ہے



اڑنگی بازوں کو دے دوں معافی
خمارِ جیت ایسا تو نہیں ہے

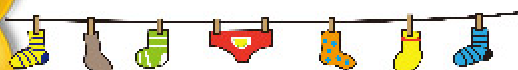
ہمیں کو باندھ رکھے اور چپا ہے
ہمیں سے بیت ایسا تو نہیں ہے

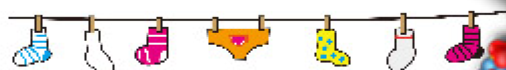
سیاست میں بنے بندے کا پتر
کوئی عفریت ایسا تو نہیں ہے

کتابی چہرہ ہو نظروں کے آگے
دھروں نہ چیت ایسا تو نہیں ہے

رہوں میں خوارِ سر ائیل کیانی
بنامِ ریت ایسا تو نہیں ہے









پھٹان

نکال دوں گا میں سب تیری ''پی ڈی ایم گردی''
مجھے اب اتنا بھی ''عمران خان'' مت کیجو
جو پھٹ پڑا تو پرخچے ترے بھی اُڑنے ہیں
کسی پٹھان کو ناحق ''پھٹان'' مت کیجو

دیوانی مقدمہ

سدا سے شارٹ ٹیمپر ہے دوانہ
اگرچہ عشق طولانی سا ہے کچھ
جو دائر حسن کی سرکار میں ہے
مقدمہ وہ تو دیوانی سا ہے کچھ



اِتنی "عزت" پہ بھی کب اُس کو بُرا لگتا ہے
تیرا دیوانہ کوئی چکنا گھڑا لگتا ہے

ناپتے دیکھا اُسے اوروں کے قد ہی اکثر
جو کھڑا ہو تو ہمیں بیٹھا ہوا لگتا ہے

اپنے جس یار پہ تکیہ ہے سرِ کوئے عدو
کارتوسوں میں وہی ایک چلا لگتا ہے



عید پر اب کوئی فتویٰ میرے سالے پر بھی
یہ بھی بھینسے کی طرح خوب پلا لگتا ہے

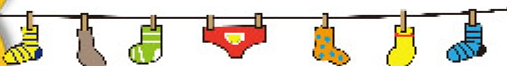
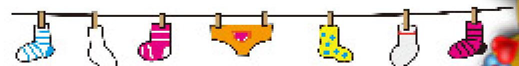
میرے یاروں میں چھڑا چھانٹ رہا کب کوئی
''جس کو دیکھو وہ گرفتار بلا لگتا ہے''

''رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر''
اور فدوی تیرے ٹھینگے پہ دھرا لگتا ہے

اُس کی طینت کی جڑیں زیرِ زمیں بھی ہیں کہیں
جتنا دِکھتا ہے وہ کچھ اُس سے سوا لگتا ہے

جا کے دیکھا ہے کبھی رزم گہِ الفت میں
یہ وہ میداں ہے جہاں گھوڑا گدھا لگتا ہے

ہائے آزار لگا کیا ترے عاشق کو
آم لگتا ہے مگر چوسا ہوا لگتا ہے



صحبتِ یاراں کی خوش باش فضا سے اٹھ کر
گھر سدھارا ہے تو وہ ''جیل گیا'' لگتا ہے

امرِ رسوائی ہے پر سچ ہے کہ گھر والی سے
ڈانٹ کھانا بھی ہمیں جزوِ غذا لگتا ہے

مسکرا کر کوئی دیکھے تو میں چونک اٹھتا ہوں
بانس پر خود کو چڑھایا ہوا سا لگتا ہے

سجدۂ سہو کی نوبت نہ پڑے جیون میں
اپنا سسرال اگر قبلہ نما لگتا ہے

اِک ذرا ''ڈھیٹ پنا'' چاہیئے لیڈر میں ظفرؔ
کبھی جوتا بھی سرِ انجمن آ لگتا ہے

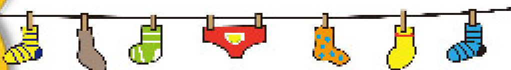


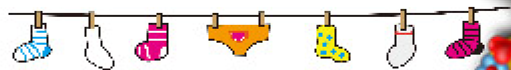


کیہڑے پاسے جاواں؟



بیوی کہتی ہے کہ آٹا لے کر آئیں
آپ تبھی روٹی کی توقع فرمائیں
آٹا لینے والوں کی
لمبی سی ہے لائن بھی
لنگر پکڑیں یا ہم دفتر کو جائیں







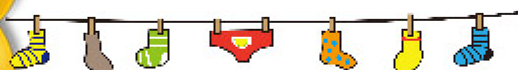


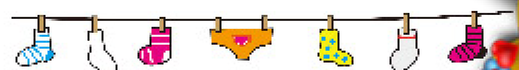
"آپ کو دیکھ کر دیکھتا رہ گیا"
ہائے میک اپ جو اُترا تو کیا رہ گیا

اب محبت میں بھی جھوٹ بکنا نہیں
اب مرے پاس بس آئینہ رہ گیا

ایسی مقراض حالات کی چل گئی
قوم کا رہنما "دُم کٹا" رہ گیا

اب علاجِ غمِ دل نہیں ہے کوئی
اب تو جھاپڑ ہی بہرِ دوا رہ گیا







موت آئی بتا کر کسی کو کہاں
کوٹ ہینگر پہ کوئی ٹنگا رہ گیا

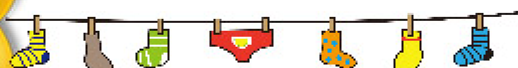
آتے آتے وہ رستے میں ہی مڑ گئے
تیر بنتا ہوا اِک تکا رہ گیا

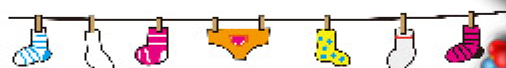
رینگتا ہے گدھے کی طرح کیوں کوئی
جب گلا نہ رہا تو گِلہ رہ گیا

بات چائے کی یکسر اڑنچھو ہوئی
میری بیوی کا منہ بھی بنا رہ گیا

جب بھی باجے ظفرؔ باجتا ہے گھنا
بس سیاست میں تھوتھا چنا رہ گیا









نکل لے



نکل لے!

ابھی وقت ہے گا

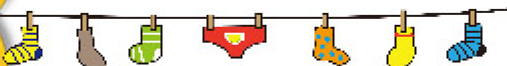
ابھی تک قبولا نہیں ہے

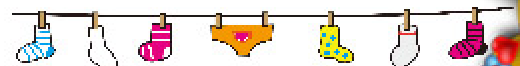
جو شادی شدہ ہیں انہیں دیکھ لے تو

یہ پھندہ ہے جھولا نہیں ہے

عمل سخت ہے گا

نکل لے!







میں عید ملنے گیا تھا، ہوتی تو عید ہوتی
عدُو کے گھر میں نہ جا کھلوتی تو عید ہوتی

تمام جنسِ وفا تھماتی، مجھے لبھاتی
لگاتی اس پر نہ وہ کٹوتی تو عید ہوتی

نہ ''وڈکے'' آتے، نہ جنگ کرتے، نہ تنگ کرتے
نہ یاد آتی نواسی پوتی تو عید ہوتی



وہ عیدی تو کیا بخار بھی نہ کسی کو دے گا
تُو ایسے کٹے کو آج چوتی تو عید ہوتی

وہ پینٹ اور شرٹ میں ملا ہے تو تنگ سا ہے
پہنتا ''اے سی'' بنامِ دھوتی تو عید ہوتی

جو اپنے گھر سے نکل پڑا میں، پھسل پڑا میں
یہ چشمِ برسات یوں نہ روتی تو عید ہوتی

وہ مجھ سے مل کر جو کھلکھلاتا، میں کھل سا جاتا
دِکھاتا اپنے دہن کے موتی تو عید ہوتی

میں اُس کے راڈار میں جو آتا تو کیا کماتا
سمجھ کے لسی مجھے بلوتی تو عید ہوتی؟

میاں ہی جیسی تھی بکروں کی بھی صدائے میں میں
جو سنتے اثرات یکساں صوتی تو عید ہوتی



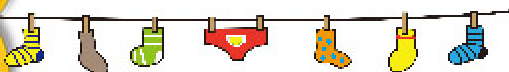


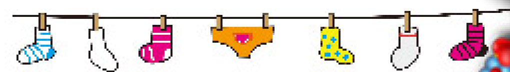
یہ بیل لاہوریئے سے کیا خاک ہضم ہوگا
کھلاتے اُس کو جو کھوتا کھوتی تو عید ہوتی

قائی آئے تو اپنی قربانی وقت پر ہو
نہ ہوتی درپیش یہ چنوتی تو عید ہوتی

اُسے سناتا میں سارا دیوان ہی اُٹھا کر
(جسے ہے خارش غزل کی بہوتی) تو عید ہوتی









(مخمس برغزل نظیر اکبرآبادی)

بس صورتِ سیلاب چڑھی آئی ہے کم بخت
کیوں مدِ نظر رکھنے نہیں پائی ہے کم بخت
اِک شے جسے کہتے ہیں شکیبائی ہے کم بخت
"اے چشم جو یہ اشک تو بھر لائی ہے کم بخت
اِس میں تو سراسر میری رسوائی ہے کم بخت"

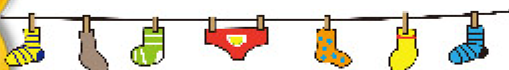
کچھ مار دیں چولیں تو یہ لب کرتے ہیں افسوس
ہو جائے جو احساس تو سب کرتے ہیں افسوس
جو ڈھیٹ ازل سے ہیں وہ کب کرتے ہیں افسوس
"لڑنے کو لڑے اُس سے پر اب کرتے ہیں افسوس
افسوس عجب اپنی بھی دانائی ہے کم بخت"

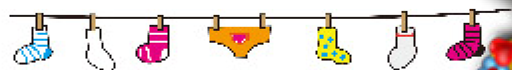


اِس فکر میں کیوں گھات لگائے ہے ارے چرخ
لگ جائے نہ سرشاری میں وہ میرے گلے چرخ
وہ ہیر نہ میں رانجھا سو کیوں کھیڑے بنے چرخ
''اِک بات بھی مل کر نہ کریں اُس سے ہم اے چرخ
کیا تجھ کو یہی بات پسند آئی ہے کم بخت''

کہتے وہ تواتر سے تجھے ''چل اے چل'' ہیں
کیوں فرض کئے بیٹھے ہیں کچھ ردِ عمل ہیں
سچ پوچھیں تو خود اپنے تئیں ہم تو چول ہیں
''وہ تو نہیں واقف پہ ہمیں دِل میں خجل ہیں
کس منہ سے کہیں ہم نے قسم کھائی ہے کم بخت''

ممکن نہیں کر پائیں ترے دِل کو مسخر
ایسا کوئی دنیا میں نہ منتر ہے نہ جنتر
بہتر ہے کہ دو حرف ہی اب بھیج دو اُس پر
''اُس جامِ نگوں سے مئے راحت نہ طلب کر
یاں بادہ نہیں بادیہ پیمائی ہے کم بخت''



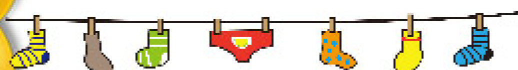


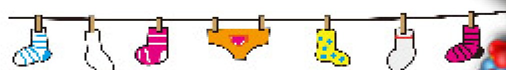


اِتراتا ہے یوں جیسے ہمالائی ہے اے سرو
کچھ اور نہیں خلعتِ مولائی ہے اے سرو
محنت تیری کیا اِس پہ بھلا آئی ہے اے سرو
''اِس قد میں جو رعنائی و زیبائی ہے اے سرو
مت بھول کہ وہ تو نے نہیں پائی ہے کم بخت''

اب دیکھنا ہے تیرا عدالت کی عبث راہ
چھوڑ اُس کو کہ ہے خوگرِ بیداد وہ گمراہ
ہوتی رہی ہے جس کے سبب ہر گھڑی ٹھاہ ٹھاہ
''توڑے ہیں بہت شیشۂ دِل جس نے نظیر آہ
پھر چرخ وہی گنبدِ مینائی ہے کم بخت''











کمزوروں میں ہیں وہ شیر
زور و زر کے آگے ڈھیر

یہ کیسی مہماں داری
طوطے ہیں کہ کتریں بیر

آ جاتا ہے پھر جوکر
قوم نے پھینٹا تو ہے بہتیر

خواب سے آخر اٹھ بیٹھے
سارے دشمن کر کے زیر

ٹھینگے پر میں دھرا رہوں
کیا کہتا ہے سجنا فیر؟



جب دیوار سے لگ جائے
بزدل بھی ہو جائے دلیر

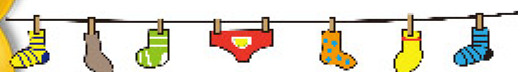
سچ کا رستہ سیدھا تیر
اِس میں کوئی ہیر نہ پھیر

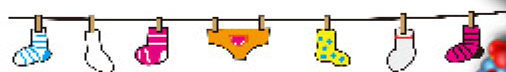
ٹاکنگ شو میں آتے ہیں
لڑنے والے خاص بٹیر

تیرا ہر کوّا ہو سفید
اِتنا بھی اب نہیں اندھیر

ناپ کے دیکھو چیّوں سے
ہو گا کتنا دُور پریر

مل جائے تعویذ ظفرؔ
قدموں میں محبوب ہو ڈھیر







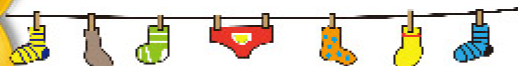


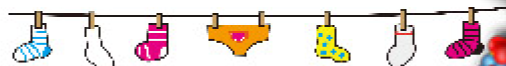
اپنی زباں سے ''ہم'' ہوا اچھا نہیں ہوا
یوں آپ محترم ہوا اچھا نہیں ہوا

اسلاف کے نیام کی شمشیر تھا مگر
کشکول اب قلم ہوا اچھا نہیں ہوا

میں آ گیا غنیم کے نرغے میں اور پھر
جو بھی ''خدا قسم'' ہوا اچھا نہیں ہوا

دھاڑا تھا اور اُس پہ جو آیا پلٹ کے میں
گیدڑ وہ ایک دم ہوا اچھا نہیں ہوا







محفوظ بہرِ شوہراں سسرال بھی نہیں
یہ "مرزِ طورِ حنم" ہوا، اچھا نہیں ہوا

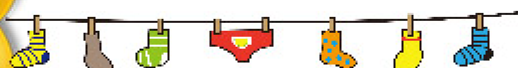
دلہن پہ رعب جھاڑتے مارا گیا دولہا
یکلخت ایک "چھم" ہوا، اچھا نہیں ہوا

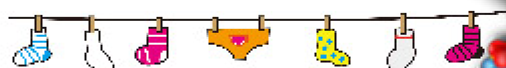
بے باک ہونا ایک ضرورت تھی عشق کی
کیوں پاسِ آزرم ہوا، اچھا نہیں ہوا

ایسا تو تاڑوں سے کبھی پہلے ہوا نہ تھا
دیدہ مرا پٹم ہوا، اچھا نہیں ہوا

سرقہ کیا تھا حضرت غالب کا، یہ ظفر
"خودکش قسم کا بم" ہوا اچھا نہیں ہوا







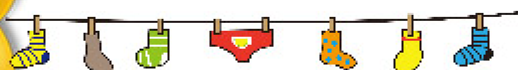


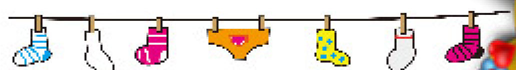
نامعلوم افراد

نیوٹرل خود کو مسلسل کہے جاتے ہیں مگر
نیوٹرل بن کے کسی طور دکھاتے بھی نہیں
پاک داماں بھی ہیں، پنگے بھی ہیں جاری اِن کے
''صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں''

یار

میں دیئے جاؤں ٹہوکا اُسے کب تک آخر
ساتھ بیٹھا ہے مگر ساتھ نہیں دے پاتا
یار باشی اُسے آتی نہیں رَتی بھر بھی
امتحانوں میں مجھے نقل نہیں کرواتا







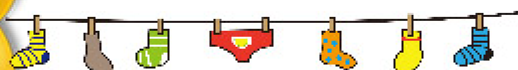


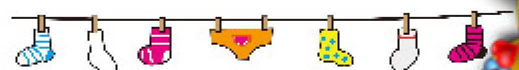
یوں جانے کوتو وہ بے شک گیا ہے
مگر کہہ کر مجھے ''گڈ لک'' گیا ہے

وہ جھگڑا تو بہت تھا مجھ سے لیکن
بہت سی چھوڑ کے بک جھک گیا ہے

فسانہ لکھ رہے تھے ڈاکٹر جی
سو پاؤں چلتے چلتے تھک گیا ہے

تھا داغوں داغ اُس لُچے کا دامن
جو سب پر داغ کر اُشلک گیا ہے







یہ ''ٹاکنگ شو'' کا طرزِ آگہی ہے
کوئی آنکھوں کو جیسے ڈھک گیا ہے

اگرچہ جا چکا انگریز کب کا
بہر سو چھوڑ کر دیمک گیا ہے

محبت بھی ہے اِک شغلِ فراغت
اُسے دیکھا ہے وہ جب تک گیا ہے

اُسے خراٹے جو تھے نشر کرنے
سومنہ کا کھول کے پھاٹک گیا ہے

نہ دوڑا توسنِ احساس کیونکر
زمانہ جڑ کے تو چابک گیا ہے

خفا ہو کر کیا ہو غصب جیسے
کسی کا غمزہ و چشمک گیا ہے



وہ ''پوپائے'' ہے آخر کس مہم پر
کہ کھا کر آج پھر پالک گیا ہے

چلو پالیں کسی جھونکے کا دھوکہ
ثمر امید کا پھر پک گیا ہے

میاں جی کی ہے نیت صاف ظاہر
لئے سسرال میں گندھک گیا ہے

بڑی تلوار بازی ہو رہی تھی
قلم کو سونتا لیکھک گیا ہے

وہاں تک بات تو پہنچی ظفر کی
جہاں تک صورتِ ڈھولک گیا ہے





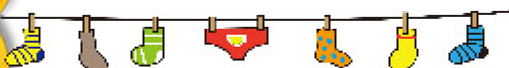


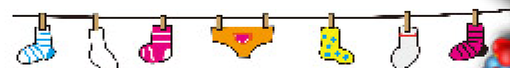
خیر اندیش سمجھتا ہے تو لالے مجھ کو
''یہ تری سادہ دلی مار نہ ڈالے مجھ کو''

ووٹ لے کر جو اُڑنچھو ہوا الیکشن کے دن
اُس کے کرتوت کیوں لگتے نہیں کالے مجھ کو

میں نے تفصیل سے تاڑا ہے تجھے تو کیا ہے
تیرے دیدے بھی تو تھے دیکھنے والے مجھ کو

ہائے اُس شوخ کو ہے خیر کی توفیق کہاں
دعوتِ عام تو ہے، آ کے پٹا لے مجھ کو







رات سونے کے لئے ہوتی ہے، کیوں فون کروں
سچ کہوں ایسے تو آتے نہیں چالے مجھ کو

میں تو لوہے کا چنا ہوں کہ چبائے نہ بنے
تر نوالہ تو نہیں ہوں کہ تو کھا لے مجھ کو

اپنے جراحوں سے مل لے کہ کوئی بات بنے
کون کہتا ہے دکھا پاؤں کے چھالے مجھ کو

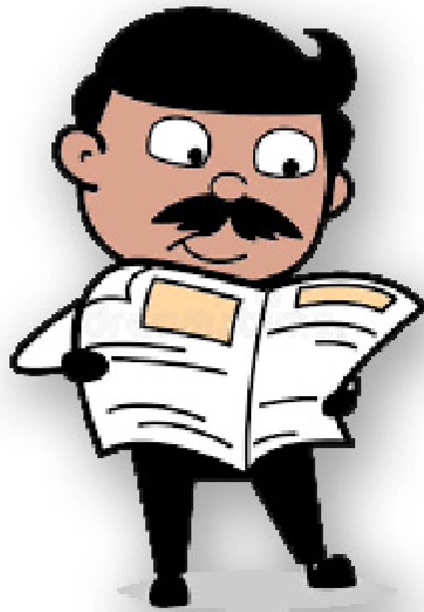
کاش تجھ کو بھی کوئی ایسی ہی شے ٹکرائے
جیسے جینے نہیں دیتے میرے سالے مجھ کو

اُس کی پتلون ہے ڈھیلی سو کرے ہے اغماض
اپنی پتلون سنبھالے یا سنبھالے مجھ کو

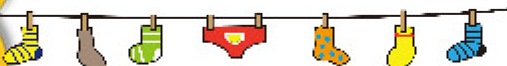


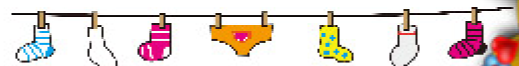


اخبار کا بقیہ

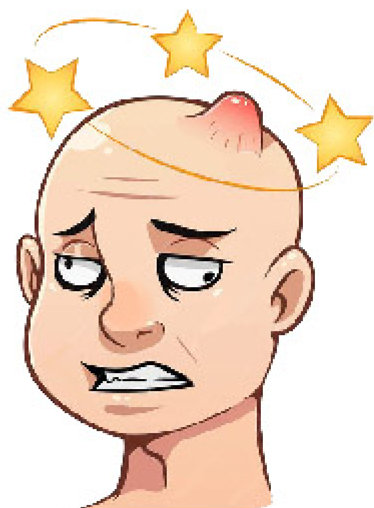


کولمبس نے
اگر امریکہ ڈھونڈا ہے
تو اس میں ہے کمال اس کا بھلا کیونکر
چلیں تو کٹ ہی جاتا ہے سفر آہستہ آہستہ
میں تب مانوں اگر اخبار میں گھس کر
خبر کا بقیہ ڈھونڈا ہے
کولمبس نے









پوچھا وباء نے حال تو اچھا نہیں ہوا
پہنچا میں ہسپتال تو اچھا نہیں ہوا

کھانا پکا لیا ہے میاں نے بُرا بھلا
لیکن کچن کے نال تو اچھا نہیں ہوا

ٹنڈ پر چپت رسیدی تو آیا بڑا مزا
کھینچے ہمارے بال تو اچھا نہیں ہوا

اپنی دفعہ وہ بات سدا مختصر کرے
میں نے ملائی کال تو اچھا نہیں ہوا



لاڑے نے بے خیالی میں آدھا چبالیا
منہ پر دھرا رومال تو اچھا نہیں ہوا

حاصل رہا عروج تو ٹکتے نہ تھے قدم
آیا مگر زوال تو اچھا نہیں ہوا

دفتر کی ہو گرانٹ یا ڈربے کا مال ہو
مرغا کیا حلال تو اچھا نہیں ہوا

جس نے ہماری ایسی کی تیسی ہے کی ہوئی
اُس سے ہوا سوال تو اچھا نہیں ہوا

آئے تھے یار گھر میں چکن کے شکار پر
اُن کو کھلائی دال تو اچھا نہیں ہوا

چشمہ لگا کے ہو بہو لگتے تو تھے مگر
ہجو کی دی مثال تو اچھا نہیں ہوا



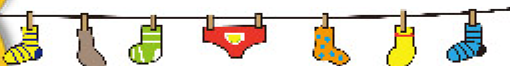


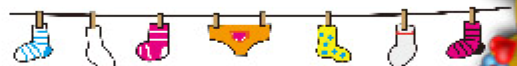
ہے یار مار جب سے مسبب کے طور پر
مارے ہے ڈنک بے حیا عقرب کے طور پر

یوں نہ کرو سیاست کو بدنام لیڈرو!
آئے لغت میں جھوٹ کے مطلب کے طور پر

تقریر اور کچھ نہیں بقراطِ وقت کی
افواہوں کا بیان ہے اغلب کے طور پر

اُس کو کہوں مداری تو چھت سے ہی جا لگے
بائیک چلا رہا ہے جو کرتب کے طور پر







بیکار گیموں کے سوا آتا نہیں ہے کچھ
اور نیٹ کو لے رہا ہے وہ مکتب کے طور پر

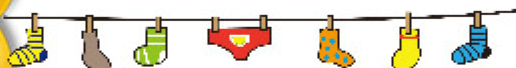
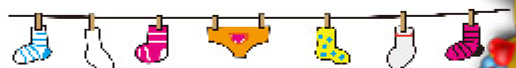
تہذیب کے سقوط نے آسان کر دیا
کُبڑوں کی پیشکش ہے مؤدب کے طور پر

لگتا ہے نیوز چینلوں نے بھی سمجھ لیا
ٹینشن کو آگہی کے مرتّب کے طور پر

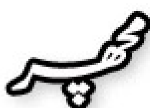
اُس کو پیامِ خیر ملے بھی تو کیا ملے
اَفیون چاٹتا ہے جو مذہب کے طور پر

مت دیکھ ''ایکسرانہ'' نگاہوں سے حسن کو
آنکھوں کو کر نہ یوز مُحدَّب کے طور پر



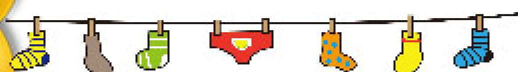


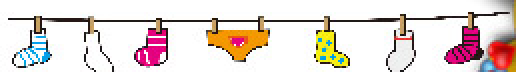


نیوٹرل سے ہیں مچھر جری
مرحبا اِن کے کردار پر
بھنبھناتے ہیں پہلے سدا
حملہ کرتے ہیں للکار کر

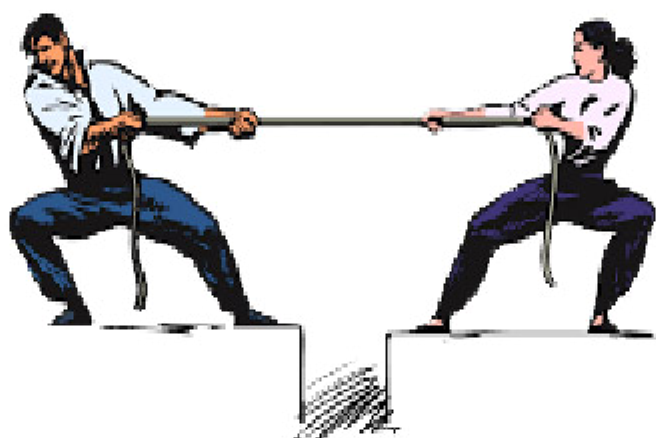


رونا دھونا بھی میاؤں کا ہے جاری ساری
تازیانے ہیں کہ لگتے ہی چلے جاتے ہیں
اور عبرت کی بھی توفیق کنواروں کو نہیں
شامیانے ہیں کہ لگتے ہی چلے جاتے ہیں







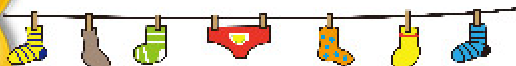


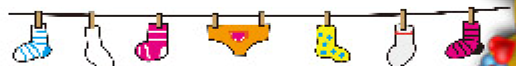
حسبِ معمول، میں
پھر کسی بھول میں

کیا شعلہ تھی وہ
کس قدر کول میں

کھیر ٹیڑھی سی وہ
غیر معقول میں

وہ مری بے وجہ
یونہی مدلول میں







وہ بنائے اگر
پھر بنوں فول میں

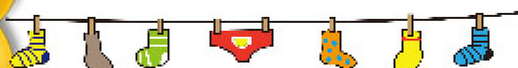
بن گئے بھوت سب
وقت کی دھول میں

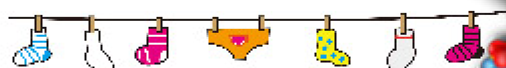
چچ بھیجے کے کس
رینج رکھ ٹول میں

پیش کرتا مگر
خار تھے پھول میں

آپ قاتل ظفرؔ
آپ مقتول میں











کالمانہ جگت ہی لکھتا ہوں
میں بھی بہرِ لکھت ہی لکھتا ہوں

مجھ کو معلوم ہے غلط ہے غلط
سو غلط کو غلت ہی لکھتا ہوں

ازدواجی حیات، اُف توبہ
میں اِسے اپنی گت ہی لکھتا ہوں

زمرۂ ٹیکس میں نہ آ جائے
آسماں کو میں چھت ہی لکھتا ہوں



کوئی لیڈر ہو اور کرپٹ نہ ہو
میں تو نااہلیت ہی لکھتا ہوں

اُس کے حصے کا میں بھی احمق ہوں
جس کو بگلہ بھگت ہی لکھتا ہوں

اِس میں یوں شعر لکھتا ہوں جیسے
خط پئے شعریت ہی لکھتا ہوں

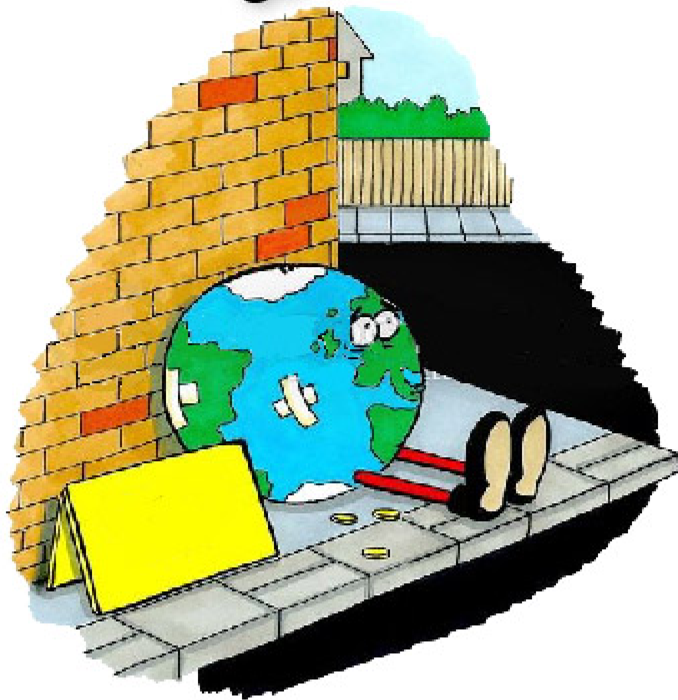
تذکرہ کرتا ہوں حوادث کا
اور پھر خیریت ہی لکھتا ہوں

عین نسوار و پان کی صورت
شاعری کو میں لت ہی لکھتا ہوں

یونیورسٹی کا نصب العین ظفرؔ
عشق کی تربیت ہی لکھتا ہوں



کشکول



کشکول جیسے

لے کر نکلنا ہو کازِ قومی

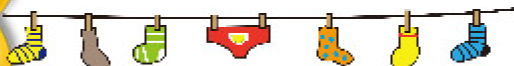
اب تک نہ آیا ہم کو خود اپنے بل پر اُبھرنا

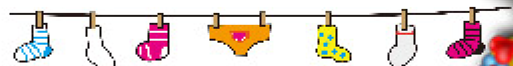
جو ہاتھ پھیلا رکھا ہے ہم نے وہ کس طرح سے گرمِ عمل ہو

عادت ہے اپنی اوروں کے کھیتوں میں جا کے چرنا

اب بن گئے ہیں ہم لوگ خود بھی

کشکول جیسے









جیون تو گزارا ہے بڑا سوچ سمجھ کر
ہونا ہے یونہی فوت بھی کیا سوچ سمجھ کر

ہرجائی کسی شق میں سے ہو کر نہ تلکتا
کر لیتے اگر عہدِ وفا سوچ سمجھ کر

جب شادی شدہ ہوتے ہیں، پچھتاتے ہیں وہ بھی
جو عشق بھی کرتے ہیں ذرا سوچ سمجھ کر

کیا سوچا تھا کیا سمجھا تھا، یہ سوچ رہا ہوں
تھاما تھا اگر ہاتھ ترا سوچ سمجھ کر

بیوی کو نہ مل پاتا یوں میکے کا بہانہ
دَم کرتے پڑے ردِ بلا سوچ سمجھ کر



ہر سال نیا لال تولد ہو جہاں پر
جاتے ہیں وہاں خواجہ سرا سوچ سمجھ کر

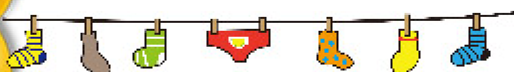
کی عرضِ دل زار تو سر اپنا ہلا کر
ظالم نے بصد ناز کہا "سوچ سمجھ کر"

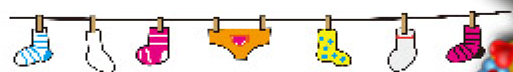
کچھ ایسا مزا اہلِ زمانہ نے چکھایا
اب جوش میں آتا ہوں ذرا سوچ سمجھ کر

دنیا کی محبت تو ہے الزام تراشی
آتا ہے یہاں کون بھلا سوچ سمجھ کر

افسر کا لطیفہ ہے، ہنسی آئے نہ آئے
ہنسنا تو سبھی نے ہے ہاہاہا سوچ سمجھ کر

راکٹ مجھے کب سے ہے بنایا ہوا اُس نے
کھانا مرا نسوار مٹڑا سوچ سمجھ کر









زبانِ خلق کی اوقات کیا اُن کی نظر میں ہے
بُرا تو بس وہی ہے جو بُرا اُن کی نظر میں ہے

وہ جو ارشاد فرمائیں تو اُس پر صاد فرمائیں
یہی تو کلمۂ ردِّ بلا اُن کی نظر میں ہے

یونہی تو اُن کی باچھیں کان سے لگتی نہیں جا کر
یقیناً کیری کیچر آپ کا اُن کی نظر میں ہے

وہ اپنے بھوت جیسے بھائی کو آواز دیتے ہیں
مریضِ عشق کی یہ بھی دوا اُن کی نظر میں ہے



ہمارے جذبہ دل سے وہ خاصے تنگ آئے ہیں
سو ہم سے عقد کرنے کی سزا اُن کی نظر میں ہے

کبھی سسرال میں وہ چودھراہٹ نہ دکھائیں گے
اگر اپنا ذرا سا بھی بھلا اُن کی نظر میں ہے

وہ مجھ کو دیکھتے ہیں کاٹ کھانے والی نظروں سے
مرا سچ بولنا گویا خطا اُن کی نظر میں ہے

ہم اُن کی ہنہناہٹ کو بھلے کہتے رہیں نغمہ
ہماری صوت مینڈک کی صدا اُن کی نظر میں ہے

ظفر کو کھو چکے کب کے، پیا کے ہو چکے کب کے
مگر اب بھی کوئی چکنا گھڑا اُن کی نظر میں ہے





ریٹ

اژدھا مہنگائی کا سب کھا گیا
کچھ بھی جز ٹھینگا نہیں دامن میں اب
بڑھ گئے ہیں لعنتوں کے ریٹ بھی
''لخ دی لعنت'' ہوگئی ملین میں اب

نئے دیوانے

اِس زمانے میں کوئی دیوانہ
رِسکی رستے پہ نکلتا ہی نہیں
آج کے دور کا مجنوں تو ظفرؔ
وہ چول ہے جو ''چولتا'' ہی نہیں





دِل تو الگ ہے، جان کی ایسی کی تیسی ہو گئی
اُلفت میں سب سامان کی ایسی کی تیسی ہو گئی

جب میری رُوکھی سُوکھی سے باندھی ہے ضد تو جان لے
تیرے ''نہاری نان'' کی ایسی کی تیسی ہو گئی

اِن فتنہ سازِ دہر کا اپنا ہی مکو ٹھپ چکا
جو کہتے تھے کپتان کی ایسی کی تیسی ہو گئی

تم لیڈرانِ قوم کو کیا جانتے ہو دوستو
جب یہ ہوئے، شیطان کی ایسی کی تیسی ہو گئی

لہرایا ڈنڈا تو وہیں ساری دلیلیں پھُر ہوئیں
یارانِ نکتہ دان کی ایسی کی تیسی ہو گئی



چوروں کے بڑ آ گئے، سارا خزانہ کھا گئے
مائے نی پاکستان کی ایسی کی تیسی ہو گئی

نسوار پر جو ٹیکس ہو تو خان کیوں ریلیکس ہو
ہر مقتدر ایوان کی ایسی کی تیسی ہو گئی

اُن کی پکڑ میں آ گیا تو فُل رگڑ میں آ گیا
سمجھو کہ اپنے کان کی ایسی کی تیسی ہو گئی

زوجین میں ٹھنی تو جنگ کے نقشے بنے
اور جنگ بھی گھمسان کی، ایسی کی تیسی ہو گئی

یا آن کے دنیاؤں نے بچھ جانا ہے پیروں تلے
یا سر پھرے انسان کی ایسی کی تیسی ہو گئی

بیگم کو غصہ چڑھ گیا تو پھر زمانہ پڑھ چکا
شاعر ترے دیوان کی ایسی کی تیسی ہو گئی





ہاتھ آئیں تو عشاق کو پڑ جاتا ہے فوراً
خود سمجھے نہ سمجھے اُنھیں سمجھاتا ہے فوراً

ریڈی ہے اگر چانس ملے عقدِ دگر کا
اِس درجہ مسلمان تو بن جاتا ہے فوراً

ہو جاتا ہے جب حسن کی جانب سے اشارہ
دِل والا تو پٹری سے اُتر جاتا ہے فوراً

آتا ہی نہیں ظرف کے جامے میں سمٹنا
تعریف کرے کوئی تو اِتراتا ہے فوراً



دیکھا نہیں خود کو کبھی تنقیدی نظر سے
آئینہ مگر اوروں کو دکھلاتا ہے فوراً

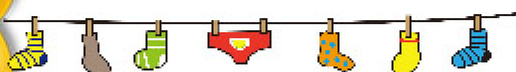
اِک ایسا چغد بھی ہے جو ہر کام میں عجلت
دِکھلاتا ہے، پھر بعد میں پچھتاتا ہے فوراً

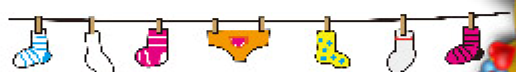
دھیرج نہیں کرتا پروفیسر کسی صورت
بڑھ جاتی ہے کچھ عمر تو سٹھیاتا ہے فوراً

دیدار کے ساون پہ مچل جاتا ہے یہ دِل
ڈڈو میرے اندر کوئی ٹراتا ہے فوراً

جب باتوں ہی باتوں میں کروں شوخ بیانی
ڈمپل ترے گالوں میں ابھر آتا ہے فوراً





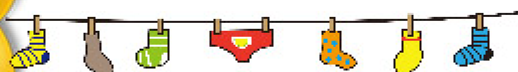


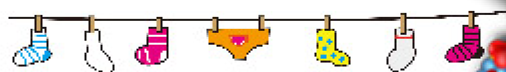


مائنس



داڑھی مونچھوں کو تو اپنے گھر کی کھیتی کہتے ہیں ہم
ریزر لے کر اپنے سارے ہی بوتھے پر بہتے ہیں ہم
جیسے کلغی والا چاہے
خان سیاست سے ہوجائے
یونہی اِن کو بھی چہرے سے مائنس کرتے رہتے ہیں ہم









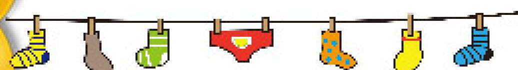
''یور'' جیسے ہیں نہ ''مائی'' جیسے
وہ دکھاتے ہیں ڈھٹائی جیسے

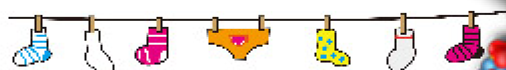
پھر چلے برہنہ پا مسجد سے
رسم ہو جوتا چھپائی جیسے

ہائے کیا سوز ترنم میں ہے
کسی بکرے کی دُھائی جیسے

حسن پر ناز بہت کرتے ہیں
جو ہیں مخلوقِ خلائی جیسے

حسنِ آواہ کی کیا بات کریں
سرِ شوکیس مٹھائی جیسے







اِس طرح دِل میں اُترتا جائے
کوئی کرتا ہے کھدائی جیسے

عشق ''بلّے'' کی طرح تاڑ میں ہے
حسن ہے دودھ ملائی جیسے

آپ میں خاص کشش ہے کوئی
جاذبیت ہے بُرائی جیسے

یوں مرے پیچھے ہے شامت میری
تائے کے ساتھ ہوتائی جیسے

وہ سمجھتے ہیں انہیں شوگر ہے
باعثِ شیریں نوائی جیسے

یوں بھی اظہارِ محبت نہ کرو
کوئی دیتا ہو صفائی جیسے



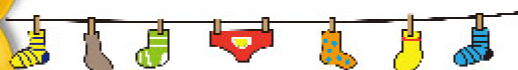


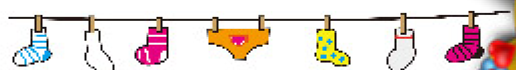
شرط

دشوار پیپروں کا شکوہ نہیں کروں گا
تحقیق کی ذرا سی درکار ہے سہولت
جو بھی سوال ہو گا، سب کا جواب دوں گا
''گوگل'' پہ سرچ کرنے کی دیجئے اجازت

بدمعاش

اہلِ شلوار و پجامہ پہ ہی موقوف نہیں
ان سے تو صاحبِ پتلون بھی ڈر جاتا ہے
فیصلے اِن کی ہی منشاء سے ہوا کرتے ہیں
بدمعاشوں سے تو قانون بھی ڈر جاتا ہے









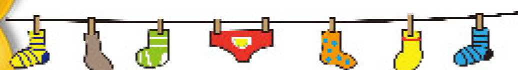
ہاتھ بیگم کا جو بٹاتے ہیں
زن مریدی کا تمغہ پاتے ہیں

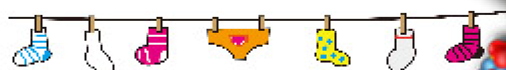
خاص پہچان ہے کلرکوں کی
دُم نہیں ہوتی پر ہلاتے ہیں

یونہی بارِ ثبوت مت ڈالیں
جو گلائی ہیں گل کھلاتے ہیں

اُن کے کرتوت بھی نہیں خفتہ
آج جو انگلیاں اُٹھاتے ہیں

جیسے دنیا دکھاتی ہے ٹھینگا
ویسے دنیا کو منہ چڑاتے ہیں







جن کے آگے نہ دھاڑ سکتے ہوں
اُن کے آگے وہ منمناتے ہیں

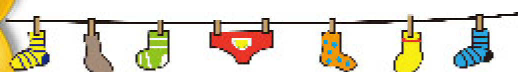
بیوی سن لے تو کیا قیامت ہو
ہم جو سوتے میں بڑبڑاتے ہیں

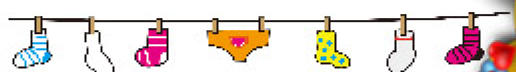
جانے بے بہرہ ہے یا بہرہ ہے
جس کو اپنی سنائے جاتے ہیں

جھوٹے وعدوں کی بھی خوشی ہے الگ
پُن کے پھولے نہیں سماتے ہیں

جن کو رستہ بنا کے ہم نے دیا
وہی نخرے ہمیں لگاتے ہیں

کامیابی کے جرم میں قاضی
ازدواجی سزا سناتے ہیں







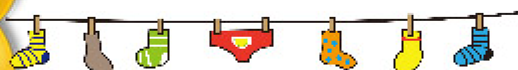


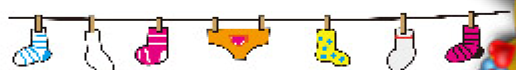
پرکھنے برتنے کا قصہ نہیں
تو پھر شیر ہوں میں بھی چوہا نہیں

تہی ہے ہر اک ظرف کا گھونسلہ
حیا نام کی کوئی چڑیا نہیں

فقط لیڈری کو ہی سمجھے بہت
وہ بندے کا پتر بھی بنتا نہیں

مجھے جانئے مجنوں صد فیصدی
گلی میں جو لیلیٰ کا کتا نہیں







بچھڑتے ہوئے کیا فوکر بنے
کوئی اُس کو روکے تو رُکتا نہیں

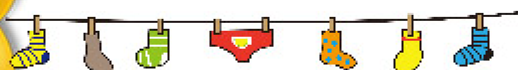
رقیبوں کا باجا بھی بجنے لگا
تو بغلیں بجانا بھی اچھا نہیں

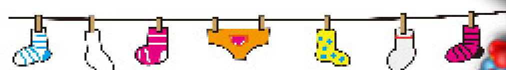
مجھے میٹرو کیسے اچھی لگے
کوئے یار میں رُوٹ اِس کا نہیں

یہ جمہوریت بھی ہے سسٹم کوئی
پلیتھن ہمارا نکالا نہیں

ظفرؔ دودھ مل جانا تھا کچھ نہ کچھ
کسی نے بھی کٹے کو چویا نہیں









نشہ ہے

رند نے مجھ سے کہا
میں ہی کب کرتا ہوں پاپ
مے نہیں پیتے تو کیا
چائے تو پیتے ہیں آپ

اپنا کتا ٹامی

بپا رکھتے تھے جو شامِ غریباں پچھلے برسوں میں
وہ اپنی اِس روش پر بھول کر بھی پھر کہاں گزرے
کبھی تڑپے نہیں ہیں دورِ نو کی حشر خیزی پر
گرانی اپنی پیدا کردہ ہو تو کیوں گراں گزرے

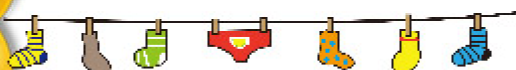


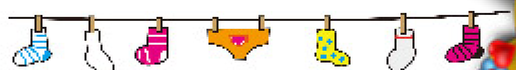
آپ کا پیار مرے دل میں سمائے تو سہی
ایک بارودی سرنگ مجھ میں لگائے تو سہی

دوڑ لگوانے کے شائق ہیں گلی کے کتے
منتظر ہیں سرِ راہ کوئی آئے تو سہی

رشتے داری کے تقاضے بھی نبھاتا رہتا
وہ سنبھالے نہ سہی، ٹانگ اڑائے تو سہی

ناز کرتا ہے یونہی آتشِ دل پر مجنوں
اِس سے سگریٹ کوئی سلگا کے دکھائے تو سہی







عاشقِ ڈھیٹ کو پروا ہی نہ ہو تو کیا ہو
اُس نے گدی پہ بھی دو ہاتھ جمائے تو سہی

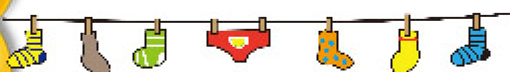
وہ ستمگار کسی طور بھی راضی نہ ہوا
پائے کیدو میاں رانجھے نے دبائے تو سہی

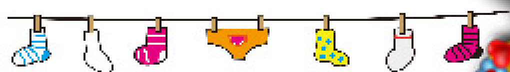
کسی کلموہی پہ الزام لگاتی ہے عبث
میری بیوی بھی مجھے آگے لگائے تو سہی

بیٹھ جائے نہ رقیبوں کی کمر تو کہنا
میری طرح وہ ترے ناز اُٹھائے تو سہی

کسی صورت کوئی تقریبِ ملاقات تو ہو
نہ سہی شب کا ڈنر، شام کی چائے تو سہی











دیکھیں مآلِ عقد میں کیا پا رہا ہے وہ
پاؤں دبا رہا ہے کہ دبوا رہا ہے وہ

وہ بے ستم شعار تو میری مدد سے ہے
لقمہ ہوں میں چنانچہ مجھے کھا رہا ہے وہ

میں نے بے سہارا اُسے ہاتھ کیا دیا
میرے گلے ہی پڑتا چلا جا رہا ہے وہ

کیفیتِ تکلم بھی حسبِ گریڈ ہے
بکواس کر رہا ہوں میں، فرما رہا ہے وہ

ہر بار کوئی موذی سرِ آئینہ ملا
ہر بار اپنے آپ سے الجھا رہا ہے وہ



جب مک مکا کیا ہے تو اوّل بھی آئے گا
گو ابتدائے دوڑ ہی لنگڑا رہا ہے وہ

حیراں ہیں اُس کے صید اُسے دیکھ دیکھ کر
چکر وہ دے رہا ہے کہ چکرا رہا ہے وہ

تا حال نطقِ یار میں "میں میں" کی گونج ہے
کس زندگی کے دور میں بکرا رہا ہے وہ

لو بوڑھے منہ پہ بھی اب مہاسے نکل پڑے
بالوں کے ساتھ نیت بھی رنگوا رہا ہے وہ

کہنے کو یوں تو بالغ نظر ہو چکا مگر
لاہور پیدا ہونے کو کب جا رہا ہے وہ

وہ حالِ دل غزل میں کہے جاتا ہے ظفرؔ
اور میں سمجھ رہا تھا کہ ٹرخا رہا ہے وہ



رمضان میں



رمضان میں

ابلیس پابستہ ہوا

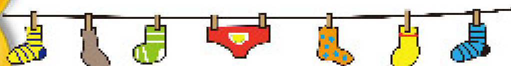
لیکن کمی شیطانیت کی کب ہوئی

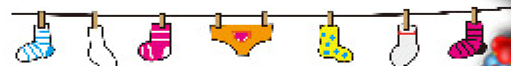
فیضان جاری اب بھی ہے دنیا میں اِس مردود کا

ذمے لیا انساں نے کارِ منصبی

دھندہ یونہی چالو رہا

رمضان میں







وہ لاکھ ہو کے آئیں کوئی فائدہ نہیں
منزل کے دائیں بائیں کوئی فائدہ نہیں

جب بات اُس کی پلّے کسی کے بھی نہ پڑے
چلائے کائیں کائیں کوئی فائدہ نہیں

ہم افسرانِ اعلیٰ کی ''گڈ بک'' میں ہی نہیں
دُم بھی بھلے ہلائیں کوئی فائدہ نہیں



''کھبی'' دکھا کے ''سجی'' لگاتے ہیں بے ایماں
دے کر ''جھکائی'' جائیں کوئی فائدہ نہیں

اِس ٹھرکی عمر میں ہے کہاں حسن سے مفر
سر پڑنی ہیں بلائیں کوئی فائدہ نہیں

''لاحول'' سے نہ جائے گا یہ بھوت عشق کا
تعویذ باندھ لائیں کوئی فائدہ نہیں

جو ہونا تھا سو ہوگیا، کرنا فضول ہے
یہ آئیں بائیں شائیں، کوئی فائدہ نہیں

سرکار تو ہے اپنی وکٹ پر ڈٹی ہوئی
اب گگلی بھی کرائیں کوئی فائدہ نہیں

''لیسنس'' پائلٹ کا نہیں ملنا آپ کو
رکشہ بھلے اُڑائیں کوئی فائدہ نہیں



ڈنگر کا دِل ہے یار کے پہلو میں ہیرے
بیکار ہیں ادائیں کوئی فائدہ نہیں

رکشہ چلانا ہے تمہیں، بس رکشہ عمر بھر
ماں کی ہیں بد دعائیں کوئی فائدہ نہیں

راضی نہ ہو گی آپ سے اب وہ حسیں بلا
لیتے رہیں بلائیں کوئی فائدہ نہیں

شاعر غزل سنا کر رہے گا جناب کو
چاہے نظر چرائیں کوئی فائدہ نہیں





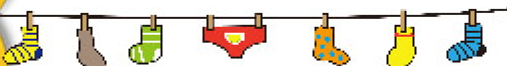


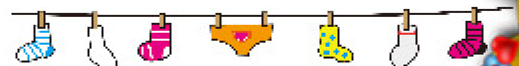
یوں یادوں کے کولہو میں مجھے جوڑ چلا ہے
وہ پان کے کچھ داغ یہاں چھوڑ چلا ہے

لنگور کے پہلو میں کوئی حور ہے دیکھو!
جوڑا ہے مگر کیسا یہ بے جوڑ چلا ہے

ہر کام کی کرتا ہے یونہی کوئی پریکٹس
وہ باندھ کے پیمانِ وفا توڑ چلا ہے

یہ تیرا تصور مجھے سونے بھی نہ دے گا
آ کر مجھے خوابوں میں بھی جھنجھوڑ چلا ہے







مجنوں سے سگِ لیلیٰ نے چنگی نہیں کیتی
جو موڑ مڑا تھا وہ اُسی موڑ چلا ہے

گاڑی سے بھی نکلے ہیں کئی تیری گلی سے
کتّے سے لگا کر بھی کوئی دوڑ چلا ہے

پھر بھوک لگی ہوگی ستمگر کو ستم کی
پھر میری تمناؤں کو بھنبھوڑ چلا ہے

عشاق کھڑے رہ گئے ہائے، سرِ راہے
چادر رُخِ زیبا پہ کوئی اوڑھ چلا ہے

ہر کام کی کرتا ہے یونہی کوئی پریکٹس
"سو باندھ کے پیمانِ وفا توڑ چلا ہے"

دلہن میری والی کو بنا لے چلا کیا تی
غزلوں کو بنا کر میری بندوڑ چلا ہے



خوش فہمی

خوش فہمی تقدیر کے کاتب سے کیسی!
وقت کو خدوخال میں ہی حل کر لے گا
عمر کا جو بھی ''ٹویا ٹبا'' ہونا ہے
خود کو رُخساروں کا ڈمپل کر لے گا

۔۔۔ تو کیا ہو!

ذرا سوچو کہ ایسی نامرادی
تمہارا بھی مقدر ہو تو کیا ہو
ملے نہ مئے تو رندوں کا بنے کیا؟
شکر خورے کو شوگر ہو تو کیا ہو





وہ کیسے بات کرتا ہے اکڑ کے
ٹکا دے کوئی دو گچی پہ ''پھڑ'' کے

دریدہ جینز بھی ہے کیا فیشن
کہ جیسے آ رہے ہوں لڑ جھگڑ کے

حسینو! یوں نہ تڑپاؤ سبھی کو
کوئی لاحول پڑھ سکتا ہے سڑ کے

محبت امتحاں لیتی ہے یوں بھی
نشانِ بوسہ ہیں چہرے پہ ''بھڑ'' کے

ثمر تم کو نظر آتے نہیں کیا؟
یونہی پیچھے پڑے ہو میری جڑ کے



خدا لگتی اُسے کیا کہہ سنائی
وہ سیدھا ہوگیا مجھ سے بگڑ کے

بُرا یوں نہ لگا، اِس عمر میں بھی
لتاڑا مجھ کو اُس نے کہہ کے لڑکے!

حسینہ جاتی ہے سیرِ سحر کو
یا یونہی باؤلے ہو تڑکے تڑکے

موبائل ڈیڈ ہوا تو منہ دکھایا
سہاگن آئی ہو جیسے اجڑ کے

سنایا شعر کیا دِل جلے نے
جلانے والوں کے دِل سُن کے دھڑکے

ظفرؔ دیوان دھو ڈالا ہے سارا
نچھاور جاؤں گھر والی سگھڑ کے





پکڑ کے کیا کریں، کیا جانے میرا حال خبیث
کہ رائیول تو بہت سے ہیں اور آل خبیث

اگر محلے میں پڑتی ہیں جوتیاں اِن کو
تو یوٹیوب پہ ڈالا کریں دھمال خبیث

میں ناچتی ہوئی نظروں کو تاڑ لیتا ہوں
اگرچہ بننے کو بنتے ہیں خوش خصال خبیث

نظر ذرا سی بھی چوکی تو سمجھو بندہ گیا
بغل میں داب کے لائے سدا بغال خبیث

دبائے رکھتا ہے پر جب دبایا جاتا ہے
اُٹھاتا کیوں ہے مساوات کا سوال خبیث



مہا خبیث بھی ٹکرا تو سکتا ہے تجھ سے
سو بات کرنے سے پہلے زباں سنبھال خبیث

جو ہمسفر سے لگے تھے، اڑنگی باز تھے سب
تمام رستے رہے کیسے نال نال خبیث

خباثتیں تو کہاں ایسی تھیں خود اُس میں بھی
کسی شریف سے مل کر ہوا نڈھال خبیث

سنا ہے عمر ہے شیطان کی طویل بہت
گیا نہ جلد کبھی پا کے انتقال خبیث

ہمارے کیس پہ بھی لال لال ٹیپ لگی
کہ چاہتا تھا کوئی نوٹ لال لال خبیث

بس ایک ماٹھا ہوں میں اُن کے درمیان ظفرؔ
ہمارے شہر میں سارے ہیں باکمال خبیث

برسات اور بازار



برسات میں

بارش کی باچھیں ہیں کھلی

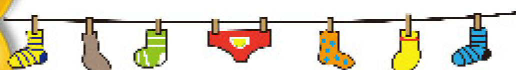
بھیگی ہوئی پھسلن کی زد میں ہے جہاں

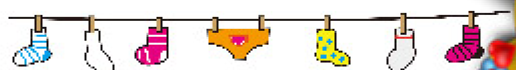
رہگیروں کے سر نیچے اور پاؤں ہیں اوپر جابجا

پھر بھی کہاں رُک پائی ہیں سرگرمیاں

بازار کی رونق وہی

برسات میں









عشق نے دی بھی اگر مار، کوئی بات نہیں
اب پٹانے لگا غمخوار، کوئی بات نہیں

گویا مجبوریٔ الفت بھی تعلق ٹھہرا
گویا محبوب ہے خرکار، کوئی بات نہیں

کب سے یکطرفہ محبت کی صلیبوں پر ہوں
ہائے اقرار نہ انکار، کوئی بات نہیں

پھر سے اسٹارٹ ہوا جھوٹی قسم کھانے کو
پھر برسنے لگی پھٹکار، کوئی بات نہیں

اپنے اسٹار بناتے ہیں وہ ٹوئنکل ٹوئنکل
میرا تارا وہی ڈمدار، کوئی بات نہیں



تم زمانے کی ہوا سے بھی ڈرے رہتے ہو
میری دھوتی ہے ہوادار کوئی بات نہیں

روکڑے کے لئے تم عہدِ وفا بھول گئے
ہم کو ٹھیکہ نہ دیا یار کوئی بات نہیں

نیوٹرل ہوگا جو طوفانوں میں ملاح مرا
ناؤ لگ سکتی نہیں پار، کوئی بات نہیں

پولیٹیشن نے تو تردید دیا ناشتے پر
تھابیاں کل کا سا چار کوئی بات نہیں

معذرت کرتا ہے ہر بار کوئی دے کے دغا
اور کہتا ہوں میں ہر بار ''کوئی بات نہیں''

اب تو اندھوں کا بھی کہلانے لگا ہے لیڈر
وہ جو کانوں کا ہے سردار، کوئی بات نہیں



جھوٹے وعدے کوئی کرتا ہے تو سر آنکھوں پر
یہ سیاست کا ہے معیار، کوئی بات نہیں

سارا دیوان سنا دوں گا اُسے باندھ کے میں
یوں جو سنتا نہیں اشعار کوئی بات نہیں

عشق کی گاڑی کے پہیئے بھی ہیں چوکور ظفرؔ
راستہ جو نہیں ہموار، کوئی بات نہیں





پروفیسر

ہر کسی کو ایک سے بھاشن نہ دے
ہر کوئی بندے کا پُتر ہے کہاں
تیرے میرے جیسی سب دنیا نہیں
کچھ پروفیسر بھی ہوتے ہیں یہاں

صادق وامین

جس کو لیڈر بنایا، ٹھگ نکلا
جس کو ہم نے چُنا، وہ کھچ ہے میاں
اِس قدر صادق و امین ہیں سب
اشتہاروں میں جتنا سچ ہے میاں



جا بجا طوئیں طلاطم کو پکڑتے رہنا
سب کے اندازِ تکلم کو پکڑتے رہنا

کتنا آسان ہے اوروں کے نقائص گننا
آپ ''تُو'' کہنا مگر ''تم'' کو پکڑتے رہنا

اُن کا جوکر تو ترا ہیرو سمجھنا خود کو
اَیروں غیروں کے تبسم کو پکڑتے رہنا



خود کو ہر شوخ کے ٹھینگے پہ دھرا دیکھنا اور
غیر نظروں کے تصادم کو پکڑتے رہنا

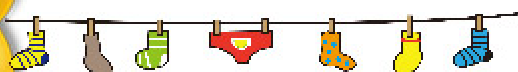
ایک ہنگامے پہ رونق کئے رکھنا موقوف
کتا بلا جو ملے، دُم کو پکڑتے رہنا

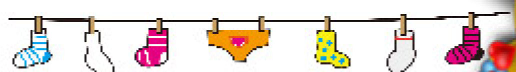
ڈالنا اُڑتی بلاؤں کو یونہی اپنے گلے
دوڑتے گھوڑوں کی ہر سُم کو پکڑتے رہنا

لاش پر قتل کا الزام بھی لگ سکتا ہے
کارِ پولیس ہے مَردُم کو پکڑتے رہنا

تم جو عاشق ہو تو بیکاری میں مصروف رہو
حاضری کے لئے انجم کو پکڑتے رہنا

پہلے ’’بالم‘‘ کے مسائل تو کرو حل خاناں!
بعد میں شوق سے ’’گنجم‘‘ کو پکڑتے رہنا







جب وہ رازق ہے تو پھر کاہے کو ہے یہ تیرا
رات دِن دانۂ گندم کو پکڑتے رہنا

چار ہوں بیویاں تو کام یہی ہے اُن کا
مِل کے محبوبۂ پنجم کو پکڑتے رہنا

شعر کہنا تو پھٹے ڈھول سا ہو کر بجنا
شعر سننا تو ترنم کو پکڑتے رہنا





مطب کے انتظار گاہ کا ایک نوٹس



یہاں بیٹھی ہوئی لیڈیز

اپنی اپنی بیماری کو

اِک دوجے سے

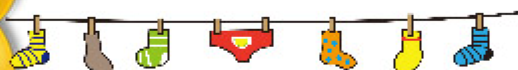
ڈسکس نہ کریں

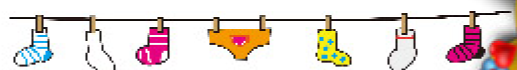
کیونکہ

بروئے ڈاکٹر

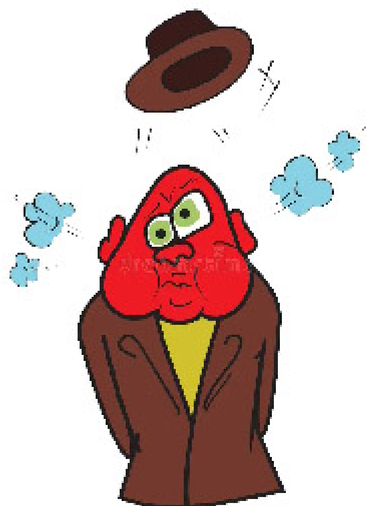
وہ سب کی سب بیماریوں میں

مبتلا خود کو سمجھتی ہیں









کِک لگاتے ہو آتے جاتے ہوئے
گویا فٹبال رشتے ناتے ہوئے

اِتنے نخرے دکھا رہا تھا کوئی
لات جڑ دی اُسے مناتے ہوئے

سب کی نظروں میں ہے وہ گلشنِ دل
پکڑے جاؤ گے گل کھلاتے ہوئے

سننے والوں پہ ہے عیاں سب کچھ
کیا چھپاتے ہو کیا بتاتے ہوئے



کر رہے ہیں ترقیٔ معکوس
راگ تبدیلیوں کا گاتے ہوئے

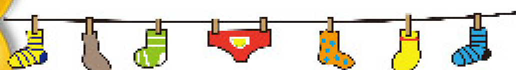
آپ اُلٹے ہوئے سرِ بازار
ہم کو دیوار سے لگاتے ہوئے

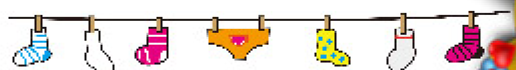
دیکھ کر سامعیں کا ردِ عمل
آنکھ کر لی ہے باز گاتے ہوئے

ایک بلوے کی بن گیا بنیاد
اُونچے سُر سے غزل سناتے ہوئے

گھوریوں کی زباں سمجھ کے ظفرؔ
کوئی جانے لگا ہے آتے ہوئے









نسوار



یہ جو نسوار ہے، میری جانی ہے یہ
مجھ کو ''راکٹ'' کے مافق بناتی ہے یہ
ہو بھلے بتیسی
ہیروشیما کی سی
اپنے دانتوں سے بھی بڑھ کے پیاری ہے یہ





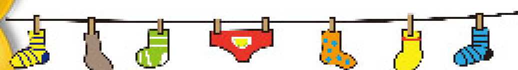
اُسے اُس جیسا ٹکرایا تو ہوتا
مزا کچھ اُس کو بھی آیا تو ہوتا

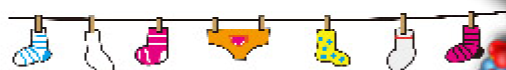
اگر اک بور کا لڈو تھی شادی
اسے نہ کھا کے پچھتایا تو ہوتا

اُسے سسرال سب پایاب ملتا
پلٹنے والا وہ کایا تو ہوتا

حیا کی ہے دُلہن سے کم توقع
دولہا شادی میں شرمایا تو ہوتا

اگر کرکٹ اُسے آتی نہیں تھی
وہ قومی ٹیم میں آیا تو ہوتا







پھسل پڑتی نظر گالوں سے اُس کے
وہ تھوڑا اور چکنایا تو ہوتا

وہیں پر موم ہو جانا تھا اُس نے
ہرا سا نوٹ دکھلایا تو ہوتا

اگر وہ آ رہا تھا میری جانب
ذرا سا میں بھی لنگڑایا تو ہوتا

میں بچ سکتا تھا گریۂ وفا سے
کسی نے مجھ کو ٹرخایا تو ہوتا

خوشی سے سنتا میں بکواس تیری
غزل کا اُس میں پیرایہ تو ہوتا

وہ بس کر جاتا دس غزلیں سنا کر
ظفر تھوڑا سا بھر پایا تو ہوتا



۔۔۔اور یہ کمیٹیاں

وطن کی صورتِ حالات، توبہ!
مسائل در مسائل جن رہی ہے
بلائیں سر سے ٹالی جا رہی ہیں
کمیٹی پر کمیٹی بن رہی ہے

ہوٹلنگ

اُٹھتا ہے بیٹھتا ہے، کب چین آ رہا ہے
یہ گیس کی شکایت، یہ پیٹ کا ابھارا
معدے کا مسئلہ تو ادھموا کر گیا ہے
ہوٹل سے کھانے والے حافظ خدا تمہارا





حسیناؤں میں دِل کی تھیف ایک تھی
قوافی بہت تھے ردیف ایک تھی

بلایا بھی خود اور بھگایا بھی خود
وہ اپنی طرح کی ظریف ایک تھی

منی کی بھی کرتی رہی لانڈرنگ
عجب فیملی وہ شریف ایک تھی

بہت چیف بنتے تھے دفتر میں وہ
مگر گھر میں بیگم بھی چیف ایک تھی



اڑنگی بہرحال دیتی رہی
وہ طاقت اگرچہ حلیف ایک تھی

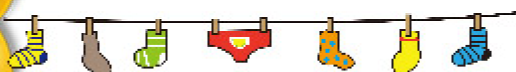
کثافت سے بھرپور تھی چغلیاں
یوں کہنے کو ظالم لطیف ایک تھی

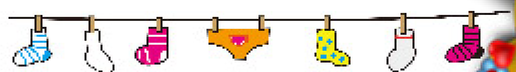
کٹی تو زمینوں سی چٹیل ہے ٹنڈ
محبت بھی فصلِ خریف ایک تھی

چچا سام سے دَب گئی قوم کیوں؟
جوانی میں کیونکر ضعیف ایک تھی

وہ کیوں ساٹھویں شعر پر اُٹھ گئے
ہماری غزل تو بریف ایک تھی









یومِ سسرال

(قوالی)



ابتدائیہ

عید کے روز بھی بے لگامی نہ ہو

کیسے ممکن ہے کہ زن غلامی نہ ہو

اِس میں تعطیل کیسی، یہ ممکن نہیں

"دھلے لگنے کی عادت" دوامی نہ ہو

چھوٹ مل سکتی ہے ہاں مگر شرط ہے

تیرے سسروں کا ڈیرا مقامی نہ ہو



استھائی

عید ہے

یومِ سسرال ہے

بے عمل!

لاد کر بیوی بچوں کو سسرال چل!!

عید ہے!

اوا بے عید ہے!!

استھائی کی بڑھت

یہ حوالات سا جو گوشہ ہے

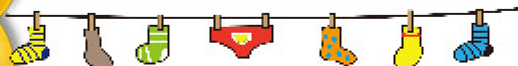
تیرے بختوں میں لکھ دیا گیا ہے

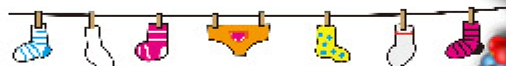
جا خوشی سے یا ہو کے چیں بہ جبیں

تجھ کو سسرال میں تو جانا ہے

عید ہے!

اوا بے عید ہے!!







گرہ

یہ ترے اَب وجد کا بھی معمول تھا
تجھ کو خوش آتا ہے یا نا معقول تھا
یہ ہے روٹین
اس میں نہ آئے خلل
عید ہے!
او اے عید ہے!!

بڑھت

تیرے ہونٹوں پہ کیسا بہانہ ہے پھر
تجھ کو جانا ہے تو تجھ کو جانا ہے پھر
لاکھ کر چوں چراں، لاکھ بن تو چول
عید ہے!
او اے عید ہے!!



انترا

اِنہیں ''اُوبر'' کرانا ہے
یا کاندھوں پر اٹھانا ہے
اِنہیں سسرال جانا ہے
تمہیں نے لے کے جانا ہے
عید ہے!
او اے عید ہے!!

بڑھت

کوئی سیلاب آئے یا بھونچال ہو
کرفیو کا سماں ہو یا ہڑتال ہو
جیسی صورت ہو جیسا بھی احوال ہو
عید ہو، تیرے بچے، تری زال ہو
اِن کا سسرال میں یومِ سسرال ہو



استھائی

عید ہے
یومِ سسرال ہے
بے عمل!
لادکر بیوی بچوں کو سسرال چل!!
عید ہے
او اب عید ہے

بڑھت

ترکیہ، انڈیا، بانگلہ دیش ہے
وہ ترا دیش ہے یا مرا دیش ہے
ہر طرف مسئلہ ایک درپیش ہے
ہر جگہ پر یہی رسمِ درویش ہے
جتنے شادی شدہ ہیں، وہ میں ہوں یا وہ
سب کا رُخ سوئے سسرال ہے آج تو



استھائی

عید ہے

یومِ سسرال ہے

بے عمل!

لاد کر بیوی بچوں کو سسرال چل!!

عید ہے!

او اے عید ہے!!

بڑھت

سالیوں سالوں کے بچے دیکھتے ہیں کب سے تیرے راستے

جیسے وہ پیدا ہوئے ہوں تجھ سے عیدی اینٹھنے کے واسطے

دیکھ لے کہ دیکھ کر بوتھا ترا سارے بجاتے ہیں بغل

استھائی

عید ہے



یومِ سسرال ہے
بےعمل!
لاد کر بیوی بچوں کو سسرال چل!!
عید ہے
اوا بےعید ہے

انترا

گو سسرال تجھے پیارے
سرائیل سا لگتا ہے
جا کر آج وہاں، خود کو
توہابیل سا لگتا ہے
چھوڑ خودی کے قصے کو
باندھ لے شُو کے تسے کو
لاد کر بیوی بچوں کو سسرال چل!!
عید ہے!
اوا بےعید ہے!!



استھائی کی بڑھت

گھر میں برتن بھی دھو کر ہے بے آبرو
اور پوچا بھی سارا لگاتا ہے تو
ایسے کاموں سے چھٹ جاتی ہے جاں تری
پھر بھی سسرال جانا پڑے جب کبھی
تجھ کو پڑ جاتی ہے ہائے کیسی اجل!

استھائی

عید ہے
یومِ سسرال ہے
بے عمل!
لاد کر بیوی بچوں کو سسرال چل!!
عید ہے!
اوا بے عید ہے!!





رَد ہوئے منصف بھی اب کے، فیصلہ بھی کالعدم
کالعدم کرنے کا سمجھو سلسلہ بھی کالعدم

وقعتِ جمہور کیا جمہوریت کے دور میں
اپنے حق پر اِن کا تو حقِ شُفعَہ بھی کالعدم

ڈٹ گئے دشتِ مغیلاں کے سبھی صیدِ زبوں
پیشہ ور بھی مسترد اور شوقیہ بھی کالعدم

ٹھرکیوں کو خاص لترانہ ضوابط چاہئیں
جن سے ہو جائے محبت کا نشہ بھی کالعدم

ضامنوں کو صورتِ گھنٹی گلے میں ڈالئے
کرنے والے کر رہے ہیں تصفیہ بھی کالعدم



چپقلش ایسی بھی بیگم صاحبہ سے کیا ہوئی

رات کا کھانا، صبح کا ناشتہ بھی کالعدم

دورِ پیپا کی میں کن انکھیوں سے یوں نہ تاڑیئے

اب ہے ایسے دیکھنے کا زاویہ بھی کالعدم

اہلیہ غصے میں ہو تو داخلہ دشوار ہے

اپنے ہی گھر میں وزیرِ داخلہ بھی کالعدم

ایک ہے قاتل بدن اور ایک ہے قاتل سخن

خیر النساء کی طرح مس ناظمہ بھی کالعدم

زُود ہضمی اِس قدر جِدّت میں بھی زیبا نہیں

شعر بھی ہو اور رَدِیف و قافیہ بھی کالعدم

فن کی چابک سے کہاں تک فکر کو دوڑائے گا

بحر میں جوتے ردیف و قافیہ بھی کالعدم



قانون



قانون کیا ہے

امراء کی لونڈی غرباء کی شامت

دو مونہا اژدر، اِک منہ ہے رام اور اِک منہ ہے راون

ہم آپ اس کی زد میں جو آئیں ہرگز نہ بخشے کچا چبالے

منصف ہے لیکن انصاف کا تو یکسر ہے دشمن

طاقتوروں کی نظروں میں حضرت

قانون کیا ہے





رنگ میں بھنگ رقیبوں کا ہی دستور نہیں
تیرے ویروں کا بھی ہے کام جو منظور نہیں

تاڑتا رہتا ہوں ہر ایک حسیں چہرے کو
دیکھتا رہتا ہوں کیا کیا مرا مقدور نہیں

چھپا سکتے نہیں حجاب کے حسیناؤں میں
پھر بھی دعویٰ ہے کہ شوہر ہیں وہ محصور نہیں

کیوں اکڑفوں تو دکھاتا ہے مجھے رہ رہ کر
میرا پنڈی ہے ستمگر ترا پشاور نہیں

کوئے لیلیٰ میں یوں مجنوں کا تماشا نہ بنا
یہ کسی شاخ سے لٹکا ہوا لنگور نہیں



آپ کا کیس ضوابط کے سراسر ہے خلاف
ہاں مگر نوٹ لگا دیجے تو کچھ دور نہیں

آن لائن ہے اگر میرا نکاح تو کیا ہے
اِن دِنوں ایسا بھی ہوتا ہے، مجھے گھور نہیں

روز و شب کرتے ہیں خوابوں کے محل جو تعمیر
اُن کو عشاق تو کہہ سکتے ہیں مزدور نہیں

نشۂ ذات سے فرصت ہی نہ پاتا ہو گا
کوئی اجناسِ نشہ ور سے اگر چور نہیں

تیری زیبائی بھی منت کشِ میک اپ ہے تو کیا
میں بھی جنت میں نہیں، تو بھی کوئی حور نہیں

میں بھی کھسکا سا ہوں تو بھی ہے چول سی جاناں
سسی پنوں کی طرح کا ہے کو مشہور نہیں





سماج آن کے رستہ تو ڈک رہا ہے ابھی
خیالِ یار کہ دل میں مٹک رہا ہے ابھی

جو شیکسپئر بنے پھرتے ہیں برسرِ محفل
ازار بند انہیں کا لٹک رہا ہے ابھی

خدا کی شان کہ گل خان نام ہے اُن کا
جو خار کی طرح دل میں کھٹک رہا ہے ابھی

غریب قوم کی کرنی تھی رہبری جس نے
وہ آپ جانے کہاں پر بھٹک رہا ہے ابھی



تمہارے ویر کے تیور کدال جیسے ہیں
مگر یہ غنچۂ دل جو چٹک رہا ہے ابھی

زبانِ طب میں اسے دل پکارا جاتا ہے
ہمارے پہلو میں مینڈک پھُدک رہا ہے ابھی

سپورٹسمین کی صورت ہیں دانت نکلے ہوئے
اگرچہ ظرف کا ساغر چھلک رہا ہے ابھی

دِکھانے والا تھا وہ بے نیازیاں ہم کو
نظر ملی تو اچانک ٹھٹھک رہا ہے ابھی

یہ تنگ تنگ قمیضوں کے بس کی بات نہیں
کوئی لباس سے باہر ٹپک رہا ہے ابھی

ظفرؔ ہو یونہی مقدر بھی آپ کا روشن
کہ جیسے ٹنڈ کا سورج چمک رہا ہے ابھی



بے مہار اپنے شوہر نہیں چھوڑتے
ڈھیل اتنی بھی دے کر نہیں چھوڑتے

قیس بھائی کو پھینٹی نہ جب تک لگے
کوئی لیلیٰ کے چکر نہیں چھوڑتے

سال میں سینکڑوں دن ہیں، کیا فکر ہے
یوں کھلے اِن میں لیڈر نہیں چھوڑتے



جن کی ایف بی پہ ڈیوٹی لگے رات بھر
ایک سے پہلے بستر نہیں چھوڑتے

جب تلک لے نہ لیں کچھ خدا واسطے
کبھی پیچھا گداگر نہیں چھوڑتے

قوم کیوں ارتقاء کی قلانچیں بھرے
ہائے ایسی بھی رُومر نہیں چھوڑتے

ہم دوا لیں تو خالص میسر نہیں
دودھ چاہیں تو گجر نہیں چھوڑتے

سننا پڑتیں ہیں دس بیس غزلیں ظفرؔ
یونہی کھیڑا سخنور نہیں چھوڑتے





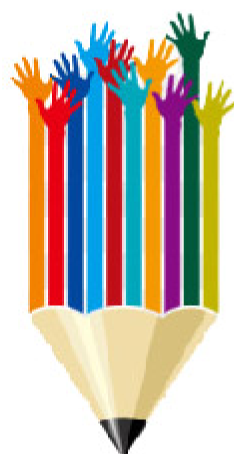
لوٹے

چلائیں تو بہر جانب ہی چل دیں
یہ سکے سارے کھوٹے سب سے پہلے
بدل جائے سیاست کا جو موسم
لڑھک پڑتے ہیں لوٹے، سب سے پہلے

ہر وقت

ہر وقت اِسے نالہ بکف دیکھا ہے یا رب!
آسودہ ترا بندۂ فانی نہیں ہوتا
ہر دم ہی کسی دوڑ میں پایا ہے ظفرؔ کو
بجلی نہیں آتی کبھی پانی نہیں ہوتا





مطمئن دِل لگا کے ہوتے ہیں
خوش کوئی چن چڑھا کے ہوتے ہیں

آپ کیا آم لینے جاتے ہیں
خوار ہی در پہ جا کے ہوتے ہیں

آپ میرٹ کو چوپتے رہیئے
کام تو مل ملا کے ہوتے ہیں

ہم بھی ہوتے تو ہیں شہیدِ وفا
اپنی انگلی کٹا کے ہوتے ہیں



ڈاکوؤں کا بھی یہ طریقہ ہے
پلسیوں کے بھی ناکے ہوتے ہیں

تیرے ابے کا خوف ہے ورنہ
حوصلے تو بلا کے ہوتے ہیں

عشق مرہون ٹینڈروں کا نہیں
حادثے کب بتا کے ہوتے ہیں

سوجھتی ہے میاں کو جب میں میں
گھر میں اکثر دھماکے ہوتے ہیں

عقد کے بعد کچھ نہیں رہتا
وقت سارے دعا کے ہوتے ہیں

گھوریاں ڈالنا عبث ہے ظفرؔ
جہاں کاکی ہو، کاکے ہوتے ہیں



سموسے



آ تجھ کو کھلاتا ہوں مرے یار سموسے

خستہ و کرارے و مزیدار سموسے

توندوں میں فنا ہونے کو تیار سموسے



کس نخوتِ لذت نے پھُلا رکھا ہے اِن کو

کس زعم نے خود سے بھی سوا رکھا ہے اِن کو

آلو کے مسالے کے چمتکار سموسے



پودینے کی چٹنی میں ڈبو کر کوئی کھائے
تو لطفِ دو عالم سے سرافراز ہو جائے
پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہوں پار سموسے



ہر سو نظر آئے ہمیں خوشبوئیں لٹاتے
ہر سمت اِنہیں دیکھا ہے سب نے تلے جاتے
ضوبار ملے کوچہ و بازار سموسے



للچائے ہوئے دیدے اِنہیں دیکھ رہے ہیں
تخلیق کے کس کربِ مسلسل میں پڑے ہیں
اِک گرم کڑاہی کے عزادار سموسے



وڈکوں کا تجربہ ہے کہ ہیوی ہیں ذرا سے
ہیوی ہیں تو کیا! ہوتے رہیں میری بلا سے!!
چوائس تو مری رہتی ہے ہر بار سموسے



جب بھی ہو منعقد کوئی تقریب کہیں پر
دیکھا ہے انہیں کھاپوں کی فہرست میں اکثر
افسانے کا اِک مرکزی کردار سموسے



قربان رہے اِن پہ ہمیشہ مرے لالے
ہر بار نئے ذوق، نئے شوق سے ڈالے
توندوں کے جہنم میں گناہگار سموسے



سرما بھی ہو، بیٹھک بھی ہو، یاروں کی چہک بھی
چائے بھی ہو، نمکو بھی ہو اور اِن کی مہک بھی
دلداروں کو مرغوب ہیں دلدار سموسے







اُف لیڈرِ قومی تیری یک چشمہ نجریا
اپنے سوا ہر شخص نظر آتا ہے چپریا

کالے تو کئے جاتے ہیں منشوروں سے کاغذ
جب توند ہو درپیش تو کا ہے کا نظریہ

اندھوں نے تو ہر ریوڑھی اپنوں میں ہی بانٹی
بہروں نے تو سننا نہیں مظلوم کا گریہ

رہتی ہے تو بیشک یہ اسامی رہے خالی
رکھ سکتے نہیں گرگ کو بھیڑوں کا گڈریا



کب تک میں اُٹھا کر اسے چل پاؤں گا مولا
جیون ہے گراں بار تو نازک ہے کمریا

حالات کی بھٹی میں بھی پگھلا نہیں ہرگز
کیا جانئیے گردن میں ہے کس طور کا سریا

ہر مرد کو ہے چار زنانے کی اجازت
کچھ لوگوں کے نزدیک بس اِتنی سی ہے شریعہ

پنچھی نے جو پردیس کی پرواز بھری ہے
اب بہرِ مٹرگشت نہ کوچہ ہے نہ قریہ

خدمت کرے لیڈر؟ کوئی کاما تو نہیں ہے
اب کارِ سیاست بھی تو بزنس کا ہے ذریعہ

کہنے کو بہت اہلِ زباں، اہلِ ادب ہیں
پر ''شکریہ'' کو باندھ رہا ہوں میں ''شکریہ''

ھوں!



اچھا!

تو وہ تم تھے!!

جس نے پوسٹ رپوٹی

اور مجھے ایف بی پہ بلاکا

منزل کر دی کھوٹی

تم ہو ایسے!

اچھا!!





سانحہ ایسا بھی ہوگا، یہ کبھی سوچا نہ تھا
سامنے بیٹھا تھا شاعر اور میں بہرا نہ تھا

بھائی مجنوں دوڑ میں اوّل نہیں تو کیا عجب
خاک آئیں، اُن کے پیچھے تو سگِ لیلیٰ نہ تھا

یوں فقیروں کی کمائی لُٹ گئی اِس دور میں
چور سے کتا ملا تھا، اِس لئے بھونکا نہ تھا

کس طرح مانوں کسی عادل کا بھی میں فیصلہ
منصفانہ تھا تو میرے حق میں کیوں آیا نہ تھا



میری بیوی کا سیاپا تھا جو مکتا ہی نہ تھا
میرے آنگن میں کسی جن بھوت کا سایہ نہ تھا

حملۂ خودکش تو ہونا ہی تھا ہم پر عقد کا
بسکہ اپنے عشق میں کیدو نہ تھا، کھیڑا نہ تھا

کس لئے آنگن نظر آتا تھا ٹیڑھا آپ کو
ناچ تگنی کا نچاتا تھا کوئی، بھنگڑا نہ تھا

ایسے حلئے میں ہوا کرتی ہے ایسی شخصیت
کیسے مانوں وہ پروفیسر تھا اور گنجا نہ تھا

ایسی دعوت مولوی ٹھینگوں پہ دھرتے آئے ہیں
آپ نے کیسے بلایا تھا، اگر حلوا نہ تھا







دِل کو لبھاتی ہے ہر گوری کالی تم کو
کیسے ڈھیلا چھوڑے پھر گھر والی تم کو

جس کی آفر چاۓ پانی کی مد میں ہے
لگ سکتی ہے اُن نوٹوں کی لالی تم کو

بلبل تھے درکار تو ویسا باغ بناتے
اُلّو ہی ملتے ہیں ڈالی ڈالی تم کو

کس چکر میں چکراۓ پھرتے ہو آخر
ہاتھ تھماتی یا چاۓ کی پیالی تم کو

سارے تاڑو دیکھ رہے تھے اُس کی جانب
کیوں محفل میں گھور رہی تھی خالی تم کو



چین نہیں آنے کا تمھارے "ٹھرکی پن" کو
تا جن بھوت چمٹ جائیں سسرالی تم کو

ہر لڑکی درکار سبھا کی پریوں جیسی
بیوی میں خوش آئے نیک خصالی تم کو

ایسے کاسہ لیس معاوِن کیوں نہ بھائیں
کہہ کے کہیں ہر بات جنابِ عالی تم کو

تم تو اسمبلی کے سیشن سے ہو آئے ہو
گالی کیسے لگ سکتی ہے گالی تم کو

جرم و سیاست کے افسانے سننے والو
یاد رہے گی مریم وڈیو والی تم کو

عبرت کیا تاریخ سے حاصل کر پاؤ گے
لگتا ہے ہر قصہ خام خیالی تم کو

شکاری کی بیوی



ایک سیاح جنگل میں پہنچا کہیں
اُس نے دیکھا وہیں

اِک شکاری میں اور ریچھ میں معرکہ
خون آشام سا



تھا شکاری نہایا ہوا خون میں
ریچھ تھا جون میں

پاس ہی تھی شکاری کی بیوی کھڑی
لے کے بندوقچی

اِس پہ سیاح نے چیخ کر یہ کہا
''یہ تو مر جائے گا

کیوں نہیں مار دیتی درندے کو تم
سوچتی کیا ہو تم''

اِس پہ بیوی نے پھنکار کر یہ کہا
''فکر نشتہ مڑا

ماردوں گی یقینا اگر یہ موا
ریچھ سے بچ گیا''

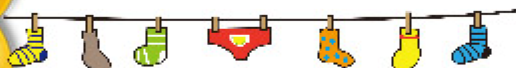


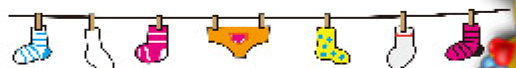


محبت کرنے والا بے دھیانا ہو تو کیا ہو
صبح پر اُسے وہمِ شبانہ ہو تو کیا ہو

کسی اچھی فضا میں میکشوں کو لے تو جاتے ہیں
وہاں پر بھی انہیں پینا پلانا ہو تو کیا ہو

جہاں گھر ہیں مریدوں کے وہاں تو سانس گھٹتی ہے
وہیں پر پیر جی کا آستانہ ہو تو کیا ہو







یونہی سکہ نہیں جمتا ہے لوگوں پر سخاوت کا
لٹانے کو اگر قومی خزانہ ہو تو کیا ہو

اُڑاتا ہے ہنسی سب کی مگر گو پر گرے جا کر
وہ کوا بھی جو اوروں سے سیانا ہو تو کیا ہو

یہ ہتھکڑیاں یونہی مونچھوں کے پیچھے خوار ہوتی ہیں
ہمارے قتل میں دستِ زنانہ ہو تو کیا ہو

خزاں کے ٹارگٹ پر ہے گلستاں آرزوؤں کا
اور ایسے میں کسی کو گل کھلانا ہو تو کیا ہو

بڑے رومانوی سے موڈ میں محبوب بیٹھا ہے
کسی کو یاد بس قومی ترانہ ہو تو کیا ہو

ابھی بھی سب سیاستدان لیڈر کم مداری ہیں
سیاست کرنا ہی بندر نچانا ہو تو کیا ہو

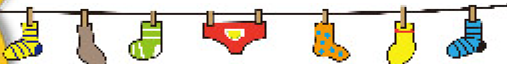


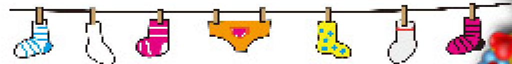
ہوس ہے روئے زیبا کی جسے تم عشق کہتے ہو
اگر محبوب لنگڑا ہو یا کانا ہو تو کیا ہو

تو کیا دانت و دہن شامل نہیں تھے اُس کے پیکج میں
کہ بعد از عقد بھی تھپڑ ہی کھانا ہو تو کیا ہو

وہ اُس کو گھیر لائے تھے کلام اپنا سنانے کو
غزل اپنی سنا کر وہ روانہ ہو تو کیا ہو





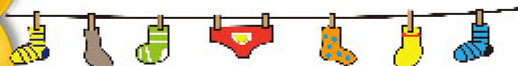


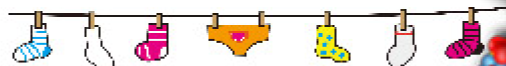


سہولت کار



قیس چمپت ہو گیا لیلیٰ سمیت
جو سہولت کار تھا، تھانے میں ہے
یوں تو کہنے کو نہ تھا ظالم ڈکیت
قیس چمپت ہو گیا لیلیٰ سمیت
کر دیا تفتیشیوں نے اُس کو کھیت
وہ جو اُس کا یار تھا، تھانے میں ہے
قیس چمپت ہو گیا لیلیٰ سمیت
جو سہولت کار تھا، تھانے میں ہے







سائبر

جنہیں جیل میں ہونا تھا، مقتدر ہیں
real ہو گئے ہیں یہاں fake اب کے
کبھی کمپیوٹر ہوا کرتے تھے، پر
کوئی ملک ہی کر گیا hack اب کے

آئی ایم ایف سے معاہدہ

منظور سارے ''وڈکوں'' کی اِن کو غلامیاں
ایسا تمام عمر کیا ہو تو کیا کریں
عزت رہن میں رکھ کر بھی شاداں ہیں مقتدر
بے غیرتی کا ستو پیا ہو تو کیا کریں





تجھ سے ملنے میں دلدّر تو نہیں ہے جاناں
یہ سفر برسرِ خچر تو نہیں ہے جاناں

میں الجھتا ہوں عدو سے یونہی تیری خاطر
تو سیاچن کا گلیشر تو نہیں ہے جاناں

اُس کی حرکات سے ویسے ہی شبہ ہوتا ہے
ورنہ عاشق کوئی بندر تو نہیں ہے جاناں

تیرے کوچے میں تو سگرٹ کے لئے جاتا ہوں
تیرا میرا کوئی چکر تو نہیں ہے جاناں



لفٹ دیتی نہیں عاشق کو وہ گجر زادی
آئیڈیل آج بھی ڈنگر تو نہیں ہے جاناں

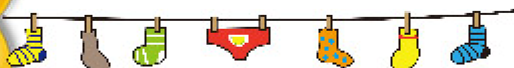
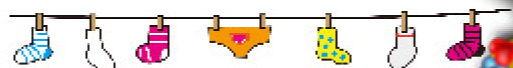
تیری ہر بات پہ دُم کیسے ہلائے آخر
لاکھ نوکر سہی، شوہر تو نہیں ہے جاناں

تجھ کو آتا تھا بہت شیریں مقالی کا ہنر
سچ بتا اب تجھے شوگر تو نہیں ہے جاناں

جس کو احباب نے گونگے کا لقب بخشا ہے
فیس بک پر وہ سخنور تو نہیں ہے جاناں

یوں سرِ بزم ظفرؔ جی سے گریزاں تو نہیں ہو!
تیرا دیوانہ ہے، شودر تو نہیں ہے جاناں







تری یادوں کے مچھر کاٹتے ہیں
ترے مجنوں کو شب بھر کاٹتے ہیں

یہی تکلیف ہے مجنوں میاں کو
سگانِ لیلیٰ آ کر کاٹتے ہیں

وفا کے پیٹ میں ٹیکے لگیں گے
زمانِ نو کے دلبر کاٹتے ہیں

ہوا محبوب کیونکر نہ مسخر
وہ چِلا تو برابر کاٹتے ہیں



غمِ بھونڈی نے چکرایا ہوا ہے
ترے کوچے کے چکر کاٹتے ہیں

یونہی ٹکڑے بھی کرتے ہیں دلوں کے
حسیں جیسے چقندر کاٹتے ہیں

یوں کتے بھی یہاں یکتائے فن ہیں
وہ لیڈر ہیں سو بہتر کاٹتے ہیں

حماقت سے بچے رہتے ہیں نورے
سے جتنا بھی سو کر کاٹتے ہیں

جراحت ہے مہینوں کی مساعی
اگرچہ ایک سوتر کاٹتے ہیں

وہ فربہ ہیں سو ہلتے بھی نہیں ہیں
سفر بھی زندگی بھر کاٹتے ہیں

کٹاریں جیسے ناخن بیویوں کے
مگر غُل ہے کہ شوہر کاٹتے ہیں

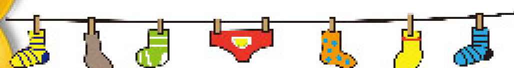
یوں کتوں سے تو ہم بچتے رہے ہیں
مگر انساں جو اکثر کاٹتے ہیں

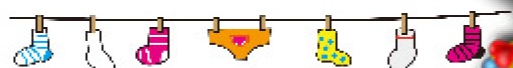
سزا ملتی نہیں کیوں درزیوں کو
گلے جو زندگی بھر کاٹتے ہیں

جو گھر ہوں بیویاں تو کاٹتی ہیں
نہیں ہوتیں تو یہ گھر کاٹتے ہیں

ظفرؔ ماریں جو منہ طنز و مزاح میں
تو پھر شاعر بھی کھل کر کاٹتے ہیں









سیر اور سوا سیر

کن بلاؤں کا رعب ہو ہم پر
کن وبالوں کی بات کرتے ہیں
اپنی زوجہ ہی ہم پہ بھاری ہے
آپ سالوں کی بات کرتے ہیں

پروپوزل

آپ سے ہم اگر کہیں آپ کا ساتھ چاہیئے
مان کے دیں گی یا نہیں؟ آپ کا کیا خیال ہے!
عرض ہے آپ سے، بنیں دادی ہمارے پوتوں کی
آپ بنیں گی یا نہیں؟ آپ کا کیا خیال ہے!





ھیر کے عشق نے دیوانہ کیا رانجھے کو
ورنہ بھینسوں سے سروکار نہ تھا رانجھے کو

اُس کو پانامہ میں بزنس کی کہاں تھی توفیق
ہائے کیوں تخت ہزارے کا ملا رانجھے کو

داستاں گو میرے ہیرو کو بچا سکتے تھے
کیسے کیدو سے فنا ہونے دیا رانجھے کو

لائنیں کاٹتا پھرتا ہے میاں مجنوں کی
سگِ لیلیٰ نہ مگر پھر بھی پڑا رانجھے کو



یہ لقب اُس کو ملا ہو گا بطورِ تمغہ
دنیاوالوں نے کہا چکنا گھڑارانجھے کو

عشق کرنے میں ہی حاصل تھا یدِ طولیٰ اسے
بانسری کا تو یونہی شوق رہا رانجھے کو

کیا غمِ ہجر میں قائم علی شاہ تھے وہ بھی
جن بزرگوں کی ملی ہو گی دعا رانجھے کو

عارضہ ڈھیٹ قسم کا ہے محبت والا
کہاں لتروں سے ملتی ہے سزا رانجھے کو

اب تو ٹھرکی ہیں یہاں مفتی قوی جیسے بھی
آپ کیوں مفت میں کہتے ہیں بُرا رانجھے کو

ہیر بن جاتی زنانی تو پتہ لگ جاتا
کاش مل جاتی محبت کی سزا رانجھے کو



باہر کی چیزیں



کیا پوچھتے ہو، کیسا غبی تھا

قیمہ سموسے میں سے اُٹھا کر کھاتا تھا بچہ

پوچھا تو بولا (منہ کو بسورے)

باہر کی چیزیں کھانے سے روکا ہے ڈاکٹر نے



آگ بگولا کیوں ہو تم
کس کے پاؤں تلے ہے دُم

کل کو کاٹ بھی سکتا ہے
آج ہلاتا ہے جو دُم

ایک سے ظالم ہیں خوباں
''راولپنڈی'' ہو یا ''قُم''

یوں ہے کوئے جاناں میں
جیسے اُس کی گاں ہو گم



اسپِ دل جو بدک پڑے
جھاڑ نہ دے تشریف پہ سُم

کوئی بتاشوں کی صورت
بانٹ رہا ہے توہُم

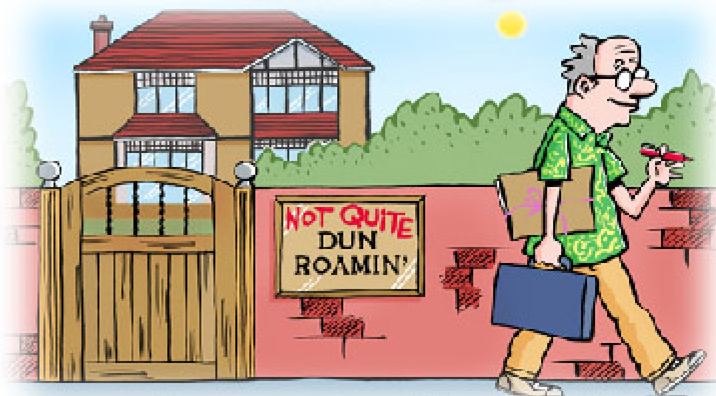
تازہ کرتا رہ ایماں
تاک دھنا دھن تارا رُم

جب بھی اُسے سلام کیا
رہ گیا کہہ کے وعلیکم

گنا چوپیں رند ظفرؔ
ساقی ہے نہ مے نہ خُم

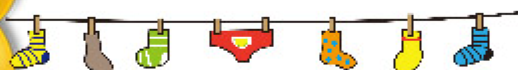


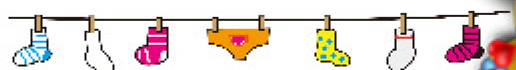
ریٹائرمنٹ



جس جاب کی خاطر خر کو بھی وہ باپ بنایا کرتا تھا
ہر ایرے غیرے کے پیچھے پاپوش گھسایا کرتا تھا
اور ایسوں ویسوں کو بھی سر آنکھوں پہ بٹھایا کرتا تھا
اُس جاب کا کیا، اُس چاٹ کا کیا
اب لاد چلا ہے بنجارہ

کرسی پہ یوں بیٹھا کرتا تھا بیٹھا ہو جیسے تخت پہ وہ
سنتا تھا سر سر لوگوں سے، دلشاد تھا اپنے بخت پہ وہ
کیا شانیں ہوتی تھیں اس کی، کیا چیز تھا اپنے وقت پہ وہ
اب سوچے بھی اس ٹھاٹھ کا کیا
اب لاد چلا ہے بنجارہ



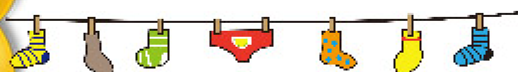


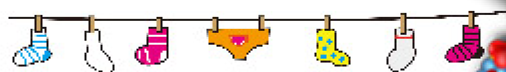


پروموشن پانے کو اپنی مٹی بھی پلیدی تھی اس نے
تعلیم کی ہٹی والے سے ڈگری بھی خریدی تھی اس نے
وڈکوں کو چیف منسٹر کی پرچی بھی رسیدی تھی اس نے
اُس بابو بنتے جاٹ کا کیا
اب لاد چلا ہے بنجارہ

زرخیز بہت تھی وہ کرسی جس پر مصروفِ سوٹا تھا
اِک تگڑی سفارش پر چھینکا بلے کے بھاگوں پھوٹا تھا
سو مالِ غنیمت کو اس نے حق جان کے اپنا لوٹا تھا
پر اب ایسے اسمارٹ کا کیا
اب لاد چلا ہے بنجارہ

جس جس کا کیس بھی ہوتا تھا وہ ساتھ میں نتھی رہتے تھے
اور اپروول کے ساحل تک فائل کے ساتھ ہی بہتے تھے
جو عرض گزارا کرتے تھے، نوٹوں کی زباں میں کہتے تھے
اب چل کا کیا اور ہاٹ کا کیا
اب لاد چلا ہے بنجارہ



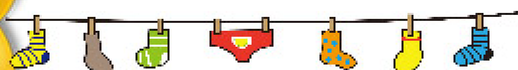


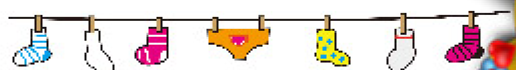


سرکاری دورے خوب کئے، اتنے کہ چکر کھایا ہے
گھوما ہے لگ بھگ سارا وطن، ہر شہر سے سر ٹکرایا ہے
لاہور بھی پہنچا ہے اکثر اور پیدا ہو کر آیا ہے
مکران کا کیا، کوہاٹ کا کیا
اب لاد چلا ہے بنجارہ

یہ آخری لچ بھی تلی گئی، پینشن بھی پراسس کر بیٹھا
سب دینا دلانا صاف ہوا، بیکار ہے کرسی پر بیٹھا
اب دیکھ رہا ہے حسرت سے وہ خود کو اپنے گھر بیٹھا
اب بننا ہے اُس لاٹ کا کیا
اب لاد چلا ہے بنجارہ

دفتر کی خاطر کل اس نے گھر والوں کو اگنور کیا
اُن سب کے متھے ہی اس نے اب آخری دم تک ہے لگنا
بہتر ہے کہ ان سے ہو جائے تجدیدِ مراسم کا قصہ
اب پانی پیئے ہر گھاٹ کا کیا
اب لاد چلا ہے بنجارہ

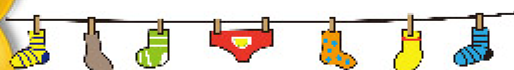


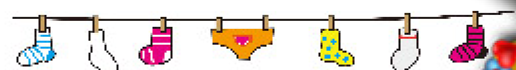




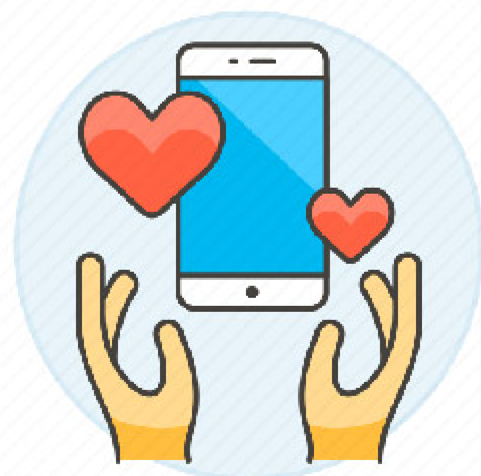
وہ کرسی جس پر نازاں تھا، وہ آج پرائی ہے یکسر
اب اس پر ڈیرے ڈال لئے اک اور مچھندر نے آ کر
اب بخت اسی کا ہے روشن، اب وقت اسی کا ہے یاور
میزان میں اس کے باٹ کا کیا
اب لاد چلا ہے بنجارہ











ہجو سنیئے، خراج ہے اِس میں
کل نہیں تھا پر آج ہے اِس میں

بہرِ تعلیم ہی نہیں چھتر
عشق کا بھی علاج ہے اِس میں

وہ یونہی مہرباں نہیں ہوتا
کچھ تو کیمو فلاج ہے اِس میں

ہر میاں سربراہِ خانہ ہے
اور بیوی کا راج ہے اِس میں



گھر بنانے کی بات مت کرنا
قلب کا اختلاج ہے اِس میں

کیوں نہ ہو استدعا کی شنوائی
بسکہ مسکا مساج ہے اِس میں

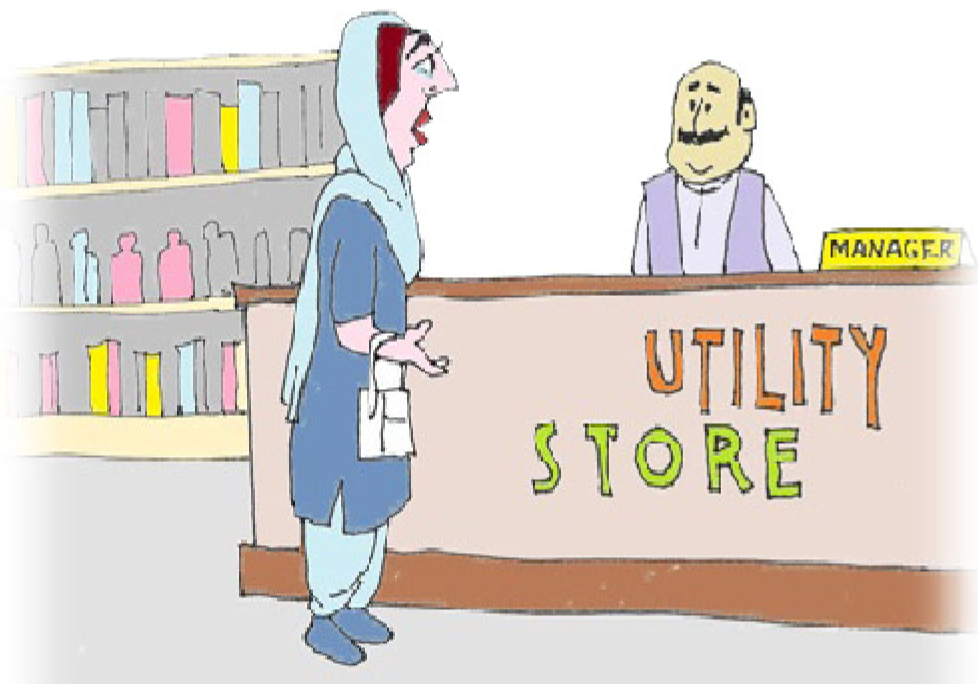
لے اُڑا عشقِ لیلیٰ و مجنوں
عقد ظالم سماج ہے اِس میں

جب تجھے جاں کہے کوئی مدقوق
کیا کوئی احتجاج ہے اِس میں

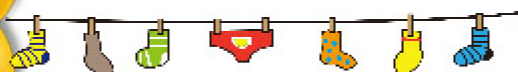
اِس قدر بھی وہ ماہتاب نہیں
صاف میک اپ کا ڈاج ہے اِس میں

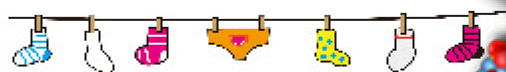
شعر میرا فقط ہنسوڑ نہیں
فکر کا امتزاج ہے اِس میں

یوٹیلیٹی اسٹور

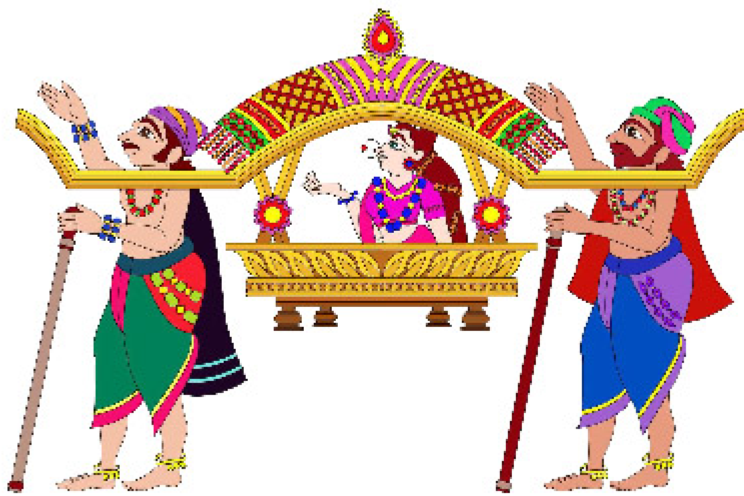


سرکار کے دعوؤں سے ہو پائی خوشی کُکھ بھی نہیں
ہم تم غریبوں کو رعایت تو ملی کُکھ بھی نہیں
قیمت میں سستی ہے مگر
آٹا نہ چینی ہے مگر
یوٹیلیٹی اسٹور میں یوٹیلیٹی کُکھ بھی نہیں









اگر ہیں بھوت لاتوں کے
تو کیوں قائل ہوں باتوں کے

وہی ہیں خانگی جھگڑے
وہی میلے قناتوں کے

جہادی حملے ہیں خود پر
یہ ہنگامے براتوں کے

ویسے امتحاں ٹھہرے
پتیلوں کے پراتوں کے



گلے پڑنے لگے آ کر
رجسٹرکس کے کھاتوں کے

لگائے ہیں حسینوں نے
شکنجے کتنی گھاتوں کے

درِ جاناں پہ کیوں ہو تم
سکینر آتوں جاتوں کے

جو سر سے ہو گئے اونچے
لگے ہیں میرے ہاتھوں کے

بنے جمہوریت کے غم
فسانے وارداتوں کے

چھندسب یونیورسل ہیں
نہ شہروں نہ دیہاتوں کے



ملے مرغا جو موٹا سا
نہ گائیں راگ ذاتوں کے

سگے ہیں جیت کے سارے
خصم ہیں کون ماتوں کے

رقیبِ ڈھیٹ، کیا کہنا!
بنے ہو کیسی دھاتوں کے

بنا لیں گالیاں اپنی
نہیں ممنوں لغاتوں کے

وضعداروں میں شامل ہیں
فدادی کائناتوں کے

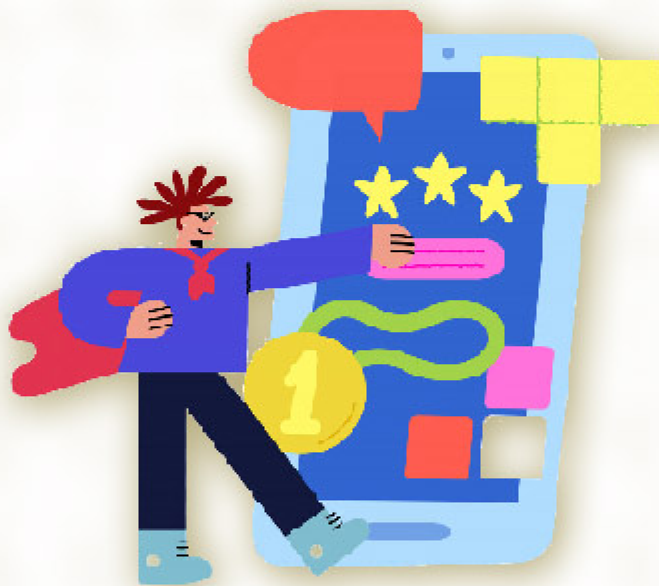
فدائے مرغ و ماہی ہیں
یہ بندے دال بھاتوں کے



ذرا منصوبے تو دیکھو
جہاں کے بے ثباتوں کے

اُٹھے نہ چارپائی سے
سفر ہیں شش جہاتوں کے

لو پھر اٹھنے کو ہیں قصے
دسمبر تیری راتوں کے





قلفی والوں سے

(موجودہ ملکی حالات کے تناظر میں)

ڈنڈا ہے جس کے ہاتھ میں ''سنڈا'' اُسی کا ہے
لاٹھی بکف سے قوم بھلا کیسے نہ ڈرے
جو مانتا نہیں ہے وہ کیوں مانتا نہیں
اِتنا پریس کرو کہ پریس کانفرنس کرے

دانشور

عاجز بندے تو دنیا میں ''کمّی'' سمجھے جاتے ہیں
اُوپر سے وہ ہو کے ملے تو ہم سے عزت پائے بھی
سیدھی سچی باتوں پر کیا اُس کی عظمت جانیں ہم
اُلٹ پلٹ سی بات کرے تو دانشور کہلائے بھی



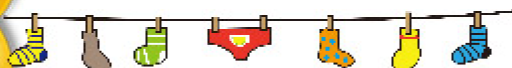


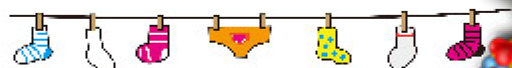
مجھے رگڑتے ہیں ایسے ویسے تمھارے ہوتے ہوئے ستمگر
یہ غیر کرنے لگے ہیں کیسے تمھارے ہوتے ہوئے ستمگر

تمھارے ہاں سے ملے ہمیشہ سفید لسی یا لال شربت
فلرٹ کرتا ہوں جام و مے سے تمھارے ہوتے ہوئے ستمگر

یہ جان کر بھی کہ سب میں ہو گی تمھارے جیسی سفید چشمی
میں ڈھونڈتا ہوں تمھارے جیسے تمھارے ہوتے ہوئے ستمگر

گرانیوں کا پہاڑ اپنے فدائیوں پر ہی توڑا جانا!
گزارا کر لوں گا جیسے تیسے تمھارے ہوتے ہوئے ستمگر







گئی تھی شاپنگ پہ ساتھ میرے تو پر لگائے تھے روکڑے کو
بنے تھے ہاتھوں کے طوطے پیسے تمھارے ہوتے ہوئے ستمگر

وہ ڈاکو ہیں تو اُنہیں بتا دو، ہنر میں لیڈر ہیں اُن سے بڑھ کر
جو بن کے پھرتے ہیں وَڈّی شے سے، تمھارے ہوتے ہوئے ستمگر

بٹر بٹر دیکھتے ہو کیا تم کہ ناز فرما ہیں انجمن میں
یہ بوتھے حُقّے کی لمبی نے سے، تمھارے ہوتے ہوئے ستمگر

میاں کو کب بات کرنے دی ہے، ہمیشہ گونگا بنا کے رکھا
میں زندگی بھر رہا ہوں ایسے تمھارے ہوتے ہوئے ستمگر

سنائے تھے چند شعر جس کو وہ مار بیٹھا ہے بیس غزلیں
ہمارے سُر سے ہماری لے سے، تمھارے ہوتے ہوئے ستمگر





(مخمس بر غزل منصور آفاق)

جس جگہ ہیر مرے ساتھ تھی ہونے والی
وہیں کیدو سے ملاقات تھی ہونے والی
اپنی تشریف پہ اک لات تھی ہونے والی
''اک تعلق کی شروعات تھی ہونے والی
اُٹھ گئے ہم کہ کوئی بات تھی ہونے والی''

کوئلہ ہو گئے بیچارے کے یوں قلب و جگر
رونے والا تھا وہ شیدائی، وہ شیدے کا پسر
اُس کی ''ہاں ہاں'' سے لرز اُٹھنے تھے یہ بام یہ در
''دیکھنے والا تھا پھر مڑ کے کوئی ایک نظر
کیا ہوا، دید کی خیرات تھی ہونے والی''



ہم چلے آئے ہیں محفل میں، ہمیں آنا تھا
حضرتِ ناصح! رقیبوں کو یہ سمجھانا تھا
کب ہمیں سارا ہی جیون یہاں بسرانا تھا
''تم نہ ملتے تو یہاں سے بھی ہمیں جانا تھا
ایسی کچھ صورتِ حالات تھی ہونے والی''

ہم تو نالاں ہی رہے انجمنِ یاراں سے
سب کو لگتے تھے سدا ''اللہ میاں کی گاں'' سے
چاہے آوازہ کسے ہم پہ یا کوئی کھانسے
''ہم چلے آئے ہیں اُس حسن کے دسترخواں سے
جب ہماری بھی مدارات تھی ہونے والی''

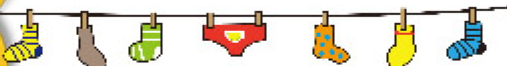
میرا محبوب تھا، کیا بحث میں اس سے کرتا
چوں چراں کرتا تو کچھ سنتا میں ایسا ویسا
کر لئے ہاتھ کھڑے، کہہ دیا اچھا! اچھا!!
''اُس کے کہنے پہ بدل آئے ہیں رستہ اپنا
جب محبت میں اُسے مات تھی ہونے والی''

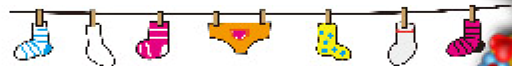


جو مرے ساتھ کیا اوروں سے کر آئی تھی
میرے دشمن کو بھی ٹھینگے پہ وہ دھر آئی تھی
اُس نے مڑ کر نہیں آنا تھا مگر آئی تھی
''کیا ہوا؟ وقت بدلنے کی خبر آئی تھی؟؟؟
وا کہیں چشمِ سماوات تھی ہونے والی''

یوں تو محفل میں سبھی لوگ ہیں نازک خو سے
بھرے بیٹھے ہیں مگر پھر بھی ہیں اسٹیچو سے
تنگ اِتنا تھا ترے موزوں کی قاتل بو سے
''میں پلٹ آیا ہوں منصورؔ مقامِ ہو سے
اِک عجب بات مرے ساتھ تھی ہونے والی''









چلبلا ہے تمھارے ہوتے ہوئے؟
یا بنا ہے تمھارے ہوتے ہوئے؟؟

کوئی خوفِ جگت کا "سیلنسر"
بولتا ہے تمھارے ہوتے ہوئے

جو تمھارا ہے وہ بھی اوروں کو
تاڑتا ہے تمھارے ہوتے ہوئے



تم سے پہلے تمھارے کتے کا
سامنا ہے تمھارے ہوتے ہوئے

آشنا تھے سبھی سو چڑ مُر تھے
کون کیا ہے تمھارے ہوتے ہوئے

کسی شوہر سا ہے یہ فدوی بھی
بے صدا ہے تمھارے ہوتے ہوئے

اُس ساٹھر کی نہیں زمانے میں
پارسا ہے تمھارے ہوتے ہوئے

لیڈرا! یہ تمھارا چمچہ ہے!!
نک چڑھا ہے تمھارے ہوتے ہوئے

ورنہ کنجوس مکھی چوس ہوں میں
دِل بڑا ہے تمھارے ہوتے ہوئے



ذکر ہوتا تھا "ہے" کے صیغے میں
اب وہ "تھا" ہے تمھارے ہوتے ہوئے

ہلّہ شیری تمھیں سے ملتی ہے
بھونکتا ہے تمھارے ہوتے ہوئے

دُم دبا کر جو بیٹھا رہتا تھا
باؤلا ہے تمھارے ہوتے ہوئے





ناخلف بیٹا

اِک فقیر افسردہ
دوسرے سے گویا تھا
ہائے بخت ہے کیسا
میں تو لُٹ گیا بھیا
میرا ناخلف بیٹا
بھیک مانگتا نہ تھا
اور اس پر طرفہ یہ
اب وہ کہہ رہا ہے کہ
میں نے پڑھنا لکھنا ہے
اب اسکول جانا ہے





ایک زبان

تبدیل نہیں کرتا ہے رائے کسی صورت
کہتا ہے کہ بھیجے میں خلل ہے تو خلل ہے
آجائے اگر بن کے ارسطو بھی تو کیا ہے
فدوی تیری نظروں میں چول ہے تو چول ہے

سڑک کے پار

اُف یہ زُوں زُوں کرتے پہیئے
ہائے یہ دل دہلاتی سڑکیں
سمجھو اپنی خوش بختی ہے
پار اگر ہم زندہ پہنچیں





کبوتر بھی تو کاں کا ہی کلیشے ہے
پرانے حکمراں کا ہی کلیشے ہے

ہلاکت خیز میزائل ہو جتنا بھی
تری لمبی زباں کا ہی کلیشے ہے

عیاں تیری لچک سے بھی مٹک سے بھی
تو صنفِ درمیاں کا ہی کلیشے ہے

اِسی کج فہمی میں رد ہو گیا کوئی
فلاں تو بس فلاں کا ہی کلیشے ہے

بہت سوں کے لئے ان کا نکاح نامہ
"سوسائیڈل" بیاں کا ہی کلیشے ہے



اسمبلی میں جو شورش رہتی ہے برپا
کسی شورِ سگاں کا ہی کلیشے ہے

بھلا لاہور ''ام'' لینے کو جاتے ہو
جہاں تم ہو، وہاں کا ہی کلیشے ہے

حکومت نے نہیں بننا غریبوں کا
بُتانِ بے رُخاں کا ہی کلیشے ہے

بٹیرہ بازی بھی ہے عشقِ لیلیٰ سی
پرانی داستاں کا ہی کلیشے ہے

یہ جو ہے سلسلہ پیری مریدی کا
مریدانِ زناں کا ہی کلیشے ہے

میاں خود اپنے ہی گھر میں ہے بے وقعت
یہ صدرِ پاکستاں کا ہی کلیشے ہے

پکوڑوں کی فضیلت



ماہِ رمضان کے پکوان کی زینت کیا ہے
سرِ افطار جو کھاتے ہیں بہ رغبت کیا ہے
جس پہ دل ٹوٹ کے آتا ہے وہ صورت کیا ہے
تجھ کو کیا علم پکوڑوں کی فضیلت کیا ہے



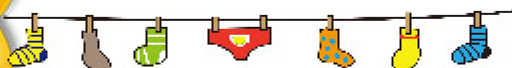
اتنی پابندی سے خوشیوئیں بکھیریں گھر گھر
جیسے روزوں کی طرح فرض ہوئے ہوں ہم پر
کھانے لگتے ہیں تو کھلتا ہے کہ برکت کیا ہے
تجھ کو کیا علم پکوڑوں کی فضیلت کیا ہے

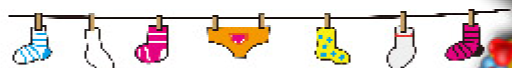


جیسے افطار پہ لازم ہیں کھجوریں شیریں
ویسے ہی سخت ضروری ہیں پکوڑے نمکیں
یہ جو مل جائیں تو کچھ اور کی حاجت کیا ہے
تجھ کو کیا علم پکوڑوں کی فضیلت کیا ہے



کوئی ''کیچ اپ'' کوئی ''چٹنی'' سے ہڑپ کرتا ہے
جس کو مل جائے وہ تیزی سے ہڑپ کرتا ہے
ٹھنڈے ہونے نہیں دیتا ہے، مصیبت کیا ہے
تجھ کو کیا علم پکوڑوں کی فضیلت کیا ہے







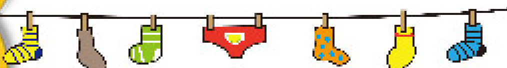
برتر از خورد و کلاں سب کو ہیں یکساں پیارے
رال ٹپکانے کو ٹپکاتے ہیں اِس پر سارے
حد سے بڑھ کر کوئی کھالے تو قباحت کیا ہے
تجھ کو کیا علم پکوڑوں کی فضیلت کیا ہے

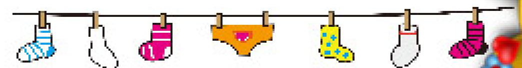


ویسے کھائے نہیں جاتے ہیں زیادہ یارو!
صرف بارش میں ہی بنتا ہے ارادہ یارو!!
چائے کی چسکی میسر ہو تو لذت کیا ہے
تجھ کو کیا علم پکوڑوں کی فضیلت کیا ہے



چائے کے ساتھ یہ مہماں کو دئے جاتے ہیں
دعوتوں میں بھی یہی پیش کئے جاتے ہیں
اپنے ہاں اِس کے سوا زادِ مدارت کیا ہے
تجھ کو کیا علم پکوڑوں کی فضیلت کیا ہے







competetion ہوتو پھر کون بھلا ہے کس کا
جس کو کہتے ہیں سموسہ وہ کزن ہے اِس کا
یہ مقابل ہوتو پھر اُس کی بھی قیمت کیا ہے
تجھ کو کیا علم پکوڑوں کی فضیلت کیا ہے



combination جو کڑھی اور پکوڑوں کا ہو
''مائینس ون'' نہیں کرسکتا کوئی بھی ان کو
(نیوٹرلز بھی نہیں کرسکتے، حکومت کیا ہے)
تجھ کو کیا علم پکوڑوں کی فضیلت کیا ہے





بیگم کے تکلّم کو نہ یوں رَعد کئے جا
جو کچھ بھی کہے اُس پہ سدا صاد کئے جا

کچھ لوگ ہیں یا رب نئے ماڈل کے شکاری
ہر سال اُنہیں صاحبِ اولاد کئے جا

جب بات سیاست کی ہو، ہر نورا ہے افضل
چولوں کو ارسطوؤں کا استاد کئے جا



ویسے تو نکل جاتی ہیں بھوتوں کی بھی چیخیں
میک اپ سے اسے جلوۂ نوشاد کیے جا

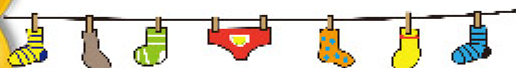
کہہ سُن کے ہی حل کرتے ہیں جیون کے مسائل
بکواس سُنے جا کبھی ارشاد کیے جا

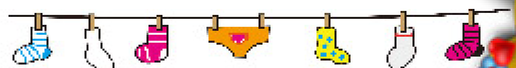
کیوں بھولیں ترے بھولنے والے تجھے آخر
مس کال ہی دے دے کے اُنھیں یاد کیے جا

دو سوٹے تو جا کر میں لگالوں کہیں "اوہلے"
جو سامنے کرتا ہے، مرے بعد کیے جا

محفل میں نہ بن جائے ترا گڈا ظفرؔ جی
بُوتھے کو تو ٹیڑھا نہ پئے داد کیے جا

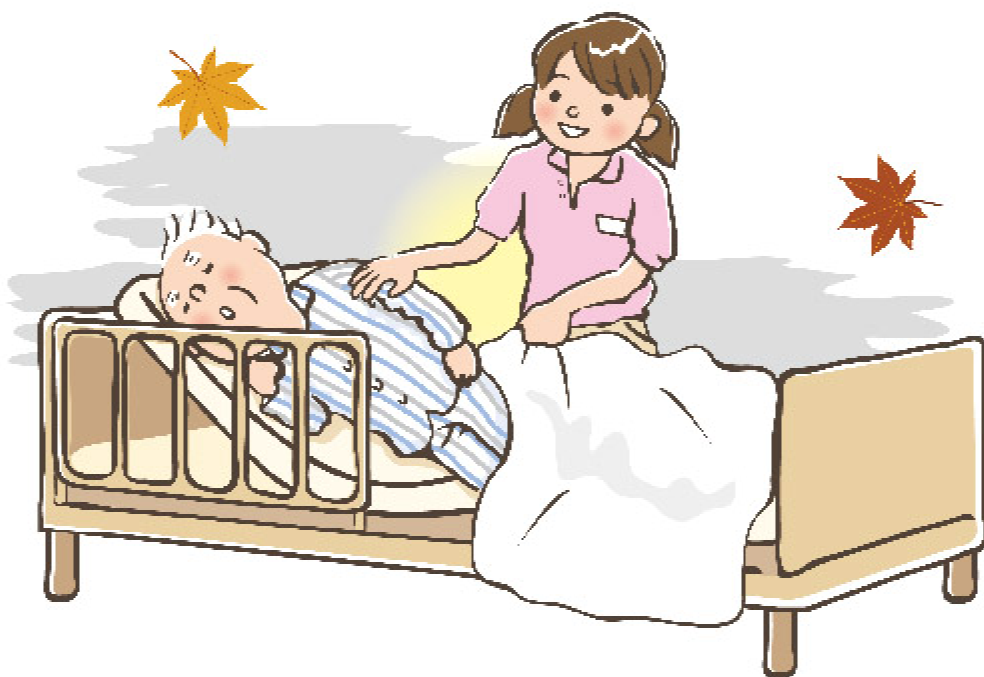








نہ چھیڑ ملنگاں نوں



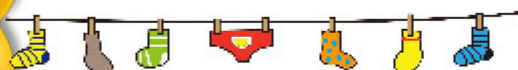
وہ کتنا منافق ہے میں کیسے بتا پاؤں

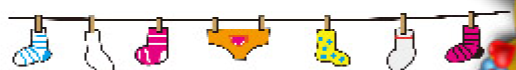
جی بھر کے اُسے کوسوں یا گالی کروں موزوں؟

تو نے ہی اڑنگی دی

اور مجھ کو کیا زخمی

اب کر کے عیادت یوں نہ چھیڑ ملنگاں نوں









آج کے دن ہے یہی کارگزاری اپنی
اُن کے کوچے سے ابھی کارگزاری اپنی

ہم نے مارا ہے بڑا تیر کوئی اپنے تئیں
اور ہے "ماں کی سِری" کارگزاری اپنی

جب محلے میں حماقت کا کوئی کام ہوا
سب نے جانا ہے کوئی کارگزاری اپنی

اُسی کاوش پہ نکالا گیا فدوی کا جلوس
جس کو سمجھا تھا بڑی کارگزاری اپنی



باس سے ڈینگ نہ مارو کہ یہ یوں ہے جیسے
کہے پتنی سے پتی کارگزاری اپنی

منڈوں کھنڈوں پہ ہی کیوں ''بھونڈپنے'' کا الزام
دیکھ کچھ تُو بھی اری کار گزاری اپنی

آئیں سسروں کی بڑی دھانسو قسم کی کالیں
ہائے کس کس پہ کھلی کارگزاری اپنی

کوئی بیچارہ سرِ راہ ہے بنا اسٹیکر
اور ہے اُن کو خوشی کار گزاری اپنی

اُس کی وڈیو بھی بنا رکھی ہے بی مریم نے
وہ جو ہوتی ہے نجی کارگزاری اپنی

پہن کر جین جو زرّیون کو دِکھلائی ظفرؔ
قابلِ فخر ''کری'' کارگزاری اپنی



قوم کے مقدر سے جو ہمیشہ کھیلا ہے
اِن دنوں وہ لیڈر بھی نیلسن منڈیلا ہے

زر کی لانڈری میں سے ہو کے چودھری آیا
بوسکی کے کپڑے ہیں، ٹنڈ پر بھی سیلا ہے

بھوت عشق کا اِتنا ڈھیٹ تھا، سو کیا کرتا
حُسن نے بجنگ آمد نطق کو "چڑیلا" ہے

مختصر وقوعے کی پوچھ پاچھ کیا کرنی
چار روزہ دنیا میں دو دِنوں کا میلہ ہے



فرقتوں کے بعد اکثر وصل کی یوں بخشش ہے
سردیوں کی بارش ہے، سامنے گجریلا ہے

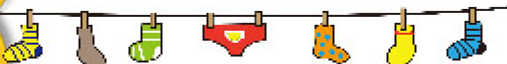
یوں کنفیوژ ہیں جذبے، کچھ سمجھ نہیں آتا
کون کس کی لیلیٰ ہے، کون کس کا چھیلا ہے

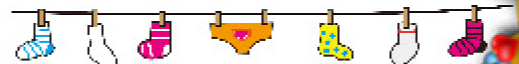
گاہ پھول جاتا ہوں، گاہ میں پچکتا ہوں
کھیر کو لپکتا ہوں، بھاگ میں کریلا ہے

آج شوم ساقی بھی آیا موج میں کیسے
ہائے جام میں جیسے میکدہ اُنڈیلا ہے

شعر کی جگالی سے کون روک سکتا ہے
چوکڑی سخن کی ہے اور ظفرؔ بھی ویہلا ہے







اِک بال۔۔۔



ہر بار ذرا وکھرا اسٹائل مرا ہوتا
ہر بار کسی اور ہی آہنگ سے سجتا
آرائشِ گیسو تمہیں آتی نہیں ورنہ
اِک بال بھی سو رنگ سے سو ڈھنگ سے سجتا



کچھ شاعروں نے خون جلایا ہے دیر تک
ہر شعر بار بار سنایا ہے دیر تک

ناخن چبائے دانت سے اس نے بھی وصل میں
ہم نے بھی اپنے سر کو کھجایا ہے دیر تک

چھڑکے گی بزم میں وہ جراثیم کش دوا
گویا رقیبوں کا تو صفایا ہے دیر تک



تیری ادا کے پیچھے ہوئے خوار ہم بہت
تیری وفا نے آگے لگایا ہے دیر تک

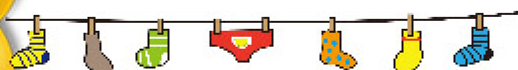
اِتنا سا ہی بچا ہوں سو ''چھونگا'' قبولیئے
مجھ کو تمھارے غم نے چبایا ہے دیر تک

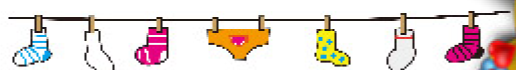
علمائے فیس بک میں چھوٹے تھے خبط کے
ہر مسئلے پہ سینگ لڑایا ہے دیر تک

بیوی کے واسطے کوئی کُتا ہی کھولتے
کچھ نہ بھی کر کے ہاتھ بٹایا ہے دیر تک

اہلِ ٹھرک کی اشتہاء تو کھولنے لگی
جلوؤں کا حلوہ کس نے پکایا ہے دیر تک

بجتا رہا ہے کوئی پھٹے ڈھول کی طرح
گیتوں میں میرا ضبط بہایا ہے دیر تک







---ق---

یہ عنفوانِ خنکی کے ایّام ہائے، ہائے!
آیا تو کسمسا کے دکھایا ہے دیر تک

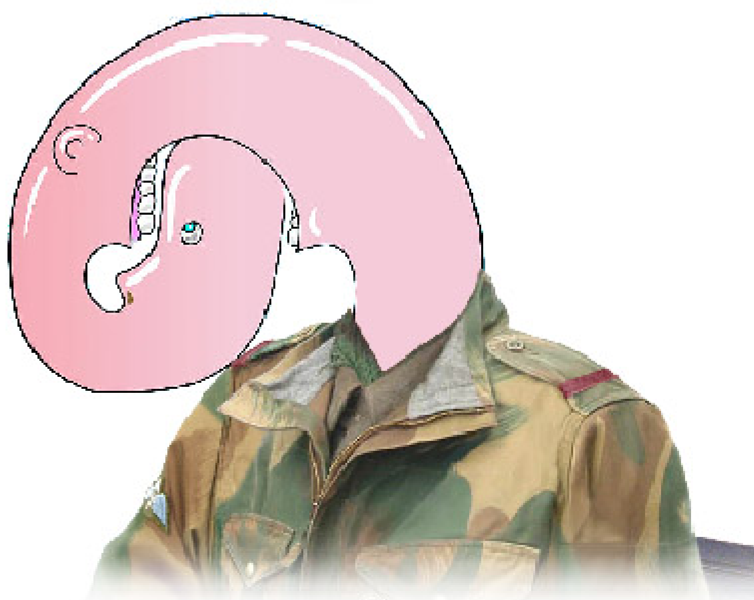
بیٹھا تھا اپنے ہاتھ کو میں تاپ تاپ کے
سو اُس نے اپنا ہاتھ تھمایا ہے دیر تک

وہ بھوتنی چڑیل ہی بن پائی ہے ظفرؔ
میک اپ اگرچہ اُس نے کرایا ہے دیر تک





۔۔۔اور یہ مقتدر



سب سیاستدان بن کر رہ گئے کٹ پتلیاں

جو سیاستداں نہیں، اُن کی سیاست دیکھئے

تیرے جیسے رہنما ہیں کن ہواؤں میں میاں

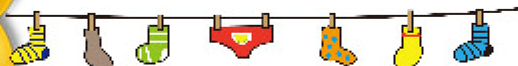
سب سیاستدان بن کر رہ گئے کٹ پتلیاں

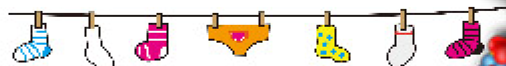
چور رستے سے جو آئیں مقتدر ہیں جاوداں

اہلِ سازش کی ازل سے ہے حکومت دیکھئے

سب سیاستدان بن کر رہ گئے کٹ پتلیاں

جو سیاستداں نہیں، اُن کی سیاست دیکھئے







اغلط ہیں جو کہتے ہیں کہ ملک کا سسٹم اُلٹا ہے
اُلٹا ہو کر دیکھیں تو یہ سیدھا ہے

سو کے اُٹھا تھا سو ہم نے بھی بول دیا۔۔۔کیا غلط کیا؟
سچ تو ہے، جو سوتا ہے وہ ''کھوتا'' ہے

ایسا بھی ہے ایک ادارہ اپنے یہاں
جس کا ہر اِک ''گائے'' مقدس گائے جیسا ہوتا ہے



اب تو مچھندر ہر آئے دن یوں برسائے پھرتے ہیں
ہر مشکل کا حل ہی جیسے ڈنڈا ہے

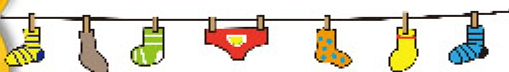
تجھ کو "میسنا" کہتا ہے تو "ایویں اِی" کھولا نہ کر
جو بولے خود ہوتا ہے

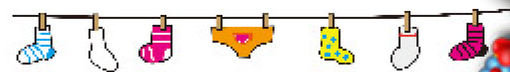
ہم نے دیکھا ہے یہ سدا
جو دنیا میں خودسر ہے وہ منہ کے بل ہی گرتا ہے

دانشور ہے یا ہے بونگا کہہ نہیں سکتا میں مطلق
ایسی شدومد سے بحثیں کرتا ہے

اُس کو گلہ ہے، مجھ چھوٹی سی لڑکی کے فیشن پر عریانی کی تہمت ہے کیسی؟
اِتنا بڑا سا پربت بھی تو "نانگا" ہے

وہ بھی اپنے حسن پہ اِٹھلاتی پھرتی ہے اِدھر اُدھر
جو لڑکی کم "بیجا" ہے







جانے عقد کے موقع پر سہ بار قبول اکھتا کیسے
جس کو شوہر کہتے ہیں وہ ازل سے گونگا گونگا ہے

قیمت لگ جائے تو اپنے قلم کو ہی نیلام کرے
اور صحافی بنتا ہے

حسنِ کافر بنتا نہیں ہے اِسی لئے شاعر کا "کرش"
شعر سنائے جاتا ہے



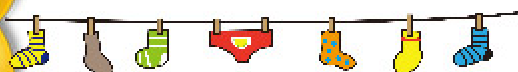


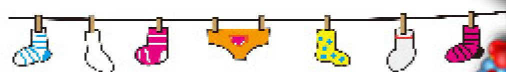


تاڑ میں نار کا ہے باپ، ارے باپ رے باپ
تاڑتے پھرتے ہیں کیا آپ، ارے باپ رے باپ

آفشل نیکی تو ہوتی نہیں سوکھی پھوکی
یہ تو ہے پاپ، مہا پاپ، ارے باپ رے باپ

ہائے یہ نوکِ زباں ہے مری گھر والی کی
یا بسولے کی کڑی لاپ، ارے باپ رے باپ







کب وہ آواز سے پہچان سکے، کس کی ہے
اسپ وخر کی یا تری چاپ، ارے باپ رے باپ

ویکسینیشن نہیں "لتروں" ہے عاشق کا علاج
یہ کرونا کا نہیں تاپ، ارے باپ رے باپ

جامِ سادہ انہیں خوش آتا نہیں ہے مطلق
ساتھ درکار ہے کچھ ہاپ، ارے باپ رے باپ

حسن بگڑا ہو تو کچھ کام نہ آئے اپنے
کوئی منتر نہ کوئی جاپ، ارے باپ رے باپ

کس سے کیا بات کہی تھی کہ لئے آتے ہو
گال پہ ہاتھ کا اِک ناپ، ارے باپ رے باپ

خواب میں رقصاں رہا خواجہ سراؤں کی طرح
ڈھول کی اِتنی سنی تھاپ، ارے باپ رے باپ





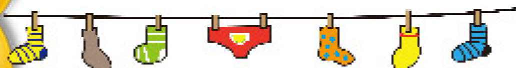
عقد کے بعد کھلا شادی شدوں پر اکثر
کانچ کی نار تو ہے ڈاپ، ارے باپ رے باپ

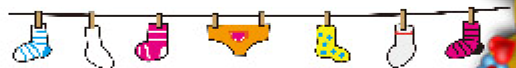
جس نے نالج کے بھی ہجے تھے ہمیں سے پوچھے
بورڈ میں کر گیا ہے ٹاپ، ارے باپ رے باپ

آج تک اپنے فدائی کو سمجھتا رہا وہ
کوئی لونڈا ہے سڑک چھاپ، ارے باپ رے باپ

تو بھلا! خاک غزل لکھی ظفرؔ صاحب نے
دل سے نکلی نہ اگر بھاپ، ارے باپ رے باپ









میچنگ



کورس کر آئی ہے ہوم ڈیکور کا

یا سبق پڑھ لیا ہے "خصم خور" کا

مانگنے لگ گئی ہے وہ مجھ سے طلاق

میری بیوی نے سمجھا ہے اِس کو مذاق

کہتی ہے میں ہوں گھر میں خلافِ تزئین

میری صوفوں سے پردوں سے میچنگ نہیں





محبت کے سبق سارے میاں کو یاد بھی ہوں گے
پکیں گے گونگلو تو مائلِ فریاد بھی ہوں گے

ہمیشہ کان پکڑانے نہیں ہیں زندگانی نے
''ہوئے ناشاد جو اِتنے تو ہم دلشاد بھی ہوں گے''

فراڈی ہاؤسنگ اسکیمیں وہ دن بھی دکھائیں گی
فلک کی چھت کے نیچے ہم کبھی آباد بھی ہوں گے



یونہی تعلیم جو ملتی رہی فلموں ڈراموں سے
امورِ عشق میں بچے کبھی استاد بھی ہوں گے

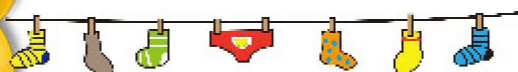
نہتے اس قدر بھی نہ رہیں گے امتحانوں میں
ہمارے ہیلپر کے طور پر ہمزاد بھی ہوں گے

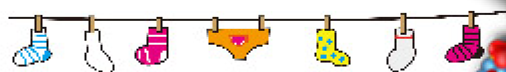
جو منڈوں کھنڈوں کی منہ زوریوں کو روک نہ پائے
یقیناً ایک دن مادر پدر آزاد بھی ہوں گے

یونہی تقلید کرتے پھرتے ہیں غیروں کی ''انبے وا''
یقیں مانو اُنہیں کے ساتھ وہ برباد بھی ہوں گے

زمانے یہ سبق تیرا کبھی نہ بھول پائیں گے
جو تیرے صید ہیں کل کو وہی صیاد بھی ہوں گے

نکالو گے جنہیں تم ڈنڈا ڈولی کر کے جیون سے
سنا ہے کل کلاں وہ شاملِ روداد بھی ہوں گے





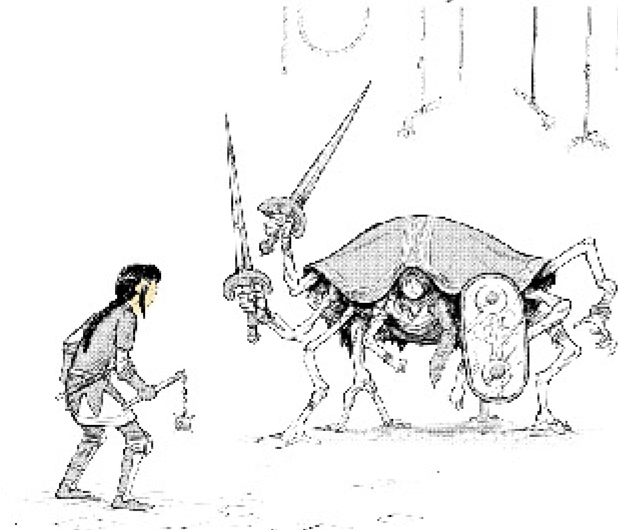


محبت کوئی حلوہ ہے کہ گرما گرم مل جائے
رقیب روسیاہ ہوں گے تو لاتعداد بھی ہوں گے

ہمارے ہاتھ میں ڈنڈا رہا تو ستاں خیراں ہیں
ہمیں کمزور پائیں گے تو وہ فولاد بھی ہوں گے

چلاتے ہیں جو شمشیریں سپر بھی چاہیئے ان کو
اگر وہ شعر کہتے ہیں تو پھر نقاد بھی ہوں گے

ظفرؔ اِس وہم نے کتنے مراسم توڑ ڈالے ہیں
ہمارے شعر سن کر وہ ہمہ تن داد بھی ہوں گے





شیور کی مرغیاں

بٹوہ یہ کہہ رہا ہے کہ میری طرف نہ دیکھ!
بھاؤ میں اوج پر ہوئیں شیور کی مرغیاں
سستے سے سستا تر ہوا انسان آج کا
مہنگی سے مہنگی تر ہوئیں شیور کی مرغیاں

جواز

اب اس کو کجکلاہی کا طعنہ ہے بے سبب
کیا کیجئے کہ کھوٹا بھی ہونے کا ہے جواز
اخلاقیات اس کو سکھانے سے فائدہ؟
لوٹے کے پاس لوٹا بھی ہونے کا ہے جواز





میں نے اُس سے کہا، بھول ہو جاتی ہے، آدمی ہے سو اہلِ معافی ہے وہ
اُس نے سر کو نفی میں ہلا کر کہا، آدمی تو نہیں ہے صحافی ہے وہ

صورتِ عشق چائے بھی ہے قہر سی، اس میں شامل نکوٹین ہے زہر سی
کتنی رغبت سے گھولوں اُسے خون میں جیسے ہمدرد کی کوئی صافی ہے وہ

آج کل کی سیاست یہی ہے کہ اگلے کو سبز دِکھا اور کبھی ٹِکا
لیڈرِ قوم سے کیوں گلہ کیجئے، کیا ہے جو محوِ وعدہ خلافی ہے وہ



میں نے جا کر رقیبوں میں سروے کیا سب سے بنتی ہے اس کی، سوائے مرے
مجھ سے جب بھی ملا ٹیڑھا ہو کر ملا، دیکھنے میں تو خاصا مکافی ہے وہ

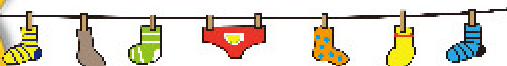
کیوں معیشت کا کونڈا نہ ہو بے خبر! بین الاقوامی بنیا لگے چارہ گر
جو بھی حل لے کے آیا ہے کافی ہے وہ، جو بھی نسخہ بتایا ہے شافی ہے وہ

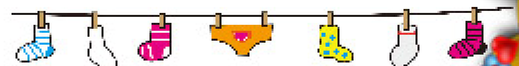
ٹاک شو میں فریقوں حریفوں میں تو ساری تلوار بازی ہوائی ہوئی
اپنے اُپلوں کو مرمر کہا جاتا ہے، نہ میں اعداد میں، نہ گرافی ہے وہ

تو نے سمجھا وکیلِ عدالت کو کیا، اُس کے آگے تو ابلیس بھی کچھ نہیں
جھوٹ بکنے میں پانی سا ہے وہ رواں اور سچ کی طرح واشگافی ہے وہ

جو ظفرؔ ہے ترا، بے ہنر ہے نرا، مسخرے پن کو کہتا ہے وہ شاعری
کیا سنوں اُس کی بیکار غزلوں کو میں، کیا کہوں کتنا لافی گزافی ہے وہ









(مخمس بر غزل احمد فراز)

بنے ہیں بھونڈ بھی غمخوار چل کے دیکھتے ہیں
سنبھالے شیخ ہیں دستار چل کے دیکھتے ہیں
کئی رقیب ہیں شومار چل کے دیکھتے ہیں
''چلو کہ کوچۂ دلدار چل کے دیکھتے ہیں
کسے کسے ہے یہ آزار چل کے دیکھتے ہیں''

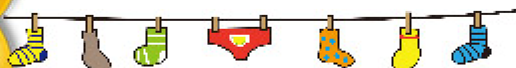
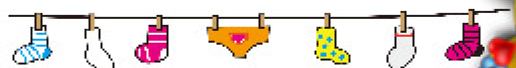
جو ڈاکٹر بھی مقدر نے آزمایا ہے
ہمیشہ اُس نے تو پٹھہ مرا بٹھایا ہے
کہ جو کمایا ہے، بس مجھ سے ہی کمایا ہے
''سُنا ہے ایسا مسیحا کہیں سے آیا ہے
کہ اُس کو شہر کے بیمار چل کے دیکھتے ہیں''



نثار کر کے مری ساری سیلری اب تو
تیار ہو کے چلی آئی پارلر سے وہ
اُسی نے لوٹ کے آنا ہے آج میلہ، گو
''ہم اپنے بُت کو زلیخا لئے ہے یوسف کو
ہے کون رونقِ بازار چل کے دیکھتے ہیں''

دلِ دریدہ ہی اُن جلووَں سے نہیں سلتا
ہمارا یوں بھی گلِ آرزو نہیں کھلتا
ستم کا جویا ہے گھر سے کبھی نہیں ہلتا
''سُنا ہے دیر و حرم میں تو وہ نہیں ملتا
سواب کے اُس کو سرِ دار چل کے دیکھتے ہیں''

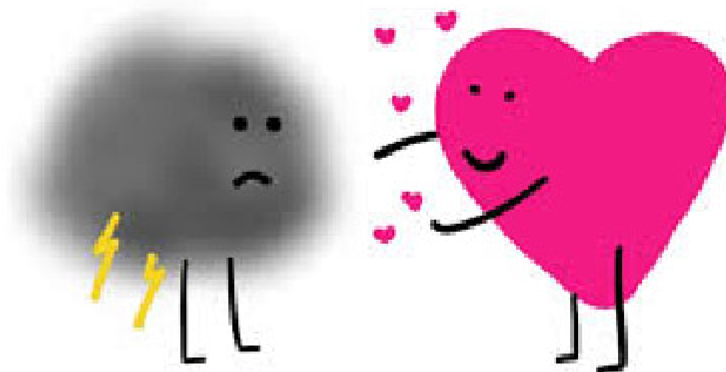
جمالِ یار ہلائے ہوئے گو دھرتی نہیں
تمام خلقِ خدا اِک اُسی پہ مرتی نہیں
یوں کہنے کو تو زیادہ بہت سنورتی نہیں
''اُس ایک شخص کو دیکھو تو آنکھ برتی نہیں
اُس ایک شخص کو ہر بار چل کے دیکھتے ہیں''



وفورِ ہجر میں رہتے ہیں سنسنائے سے
رہیں گے اور جدا کتنی دیر چائے سے
بھلا سمجھتے ہیں کاہے کو بن بلائے سے
''وہ میرے گھر کا کریں قصد جب تو سائے سے
کئی قدم درودیوار چل کے دیکھتے ہیں''

یہ دِل نشانہ کسی چشمِ نیم باز کا ہے
کہ جس کو ڈر ہے خدا کا نہ خوف ''لاز'' کا ہے
یا صید خود وہ مرے تیرِ بے نیاز کا ہے
''فرازؔ اسیر ہے اُس کا کہ وہ فرازؔ کا ہے
ہے کون کس کا گرفتار چل کے دیکھتے ہیں''







اگرچہ ہے نری بوتل ذرا خیال رہے
سمارٹنیس کا ہے موڈل، ذرا خیال رہے

ہر ایک لیڈرِ قومی پچاری توند کا ہے
نہیں ہے کوئی بھی چرچل ذرا خیال رہے

صحافیوں کا بھی میعار بڑھ چکا کب کا
لفافہ بن گیا بنڈل، ذرا خیال رہے

نہ تھامنا کبھی دستِ پریم بھولے سے
نہ چھوڑے گا تمہیں کمبل، ذرا خیال رہے



اب اِس قدر اُسے میچورٹی نہ دکھلاؤ
سمجھ نہ لے تمہیں انکل، ذرا خیال رہے

یوں لڑکھڑاتے ہوئے بھی نہ چلنا منزل کو
کہ جیسے ٹوٹی ہو چپل، ذرا خیال رہے

ترقی ہوتی نہیں تیل کی درآمد سے
ہوں آگہی کے بھی بیرل، ذرا خیال رہے

کہیں یوں جذبۂ انسانیت نہ کھو بیٹھو
کہ ڈھونڈ پائے نہ گوگل، ذرا خیال رہے

تجاوزات سے پرہیز لازمی ٹھہرا
کرو نہ بوتھے کو جنگل، ذرا خیال رہے

تو پیشِ باس ہے نادان! چاہے ہو کہ نہ ہو
ہِلانا فرض ہے پوچھل، ذرا خیال رہے



نہ آپ کھائے نہ کھاتا کسی کو دیکھ سکے
وہ راست باز ہے سڑیل ذرا خیال رہے

محبتوں کو بہت easy مت لیا کیجے
معاملہ ہے crucial ذرا خیال رہے

جو دینے سے نہیں ٹلتے ہیں او کھلی میں سر
انہیں دکھانا کیا موصل، ذرا خیال رہے

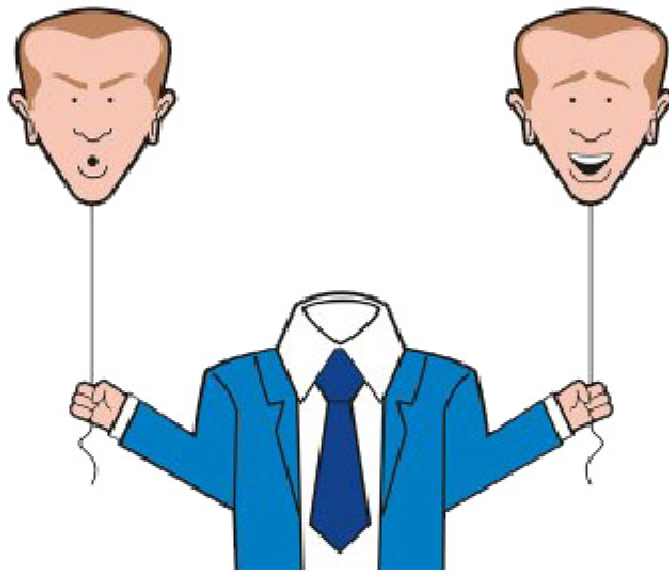
پدھاریے تو ذرا کان ہوں اٹینشن سے
نہ ہو مری کا وہ ہوٹل، ذرا خیال رہے

مشاعرے میں غزل گا کے ہی سنانا ظفرؔ
سخنوری کی ہے اٹکل، ذرا خیال رہے





منافقت



مہنگی تھی بجلی اِس قدر، بارہ روپے یونٹ تھا کل

اب اِس قدر سستی ہوئی، باون کا یونٹ ہوگیا

سب کو پریشانی تھی، چین آتا نہیں تھا ایک پل

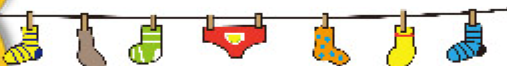
مہنگی تھی بجلی اِس قدر، بارہ روپے یونٹ تھا کل

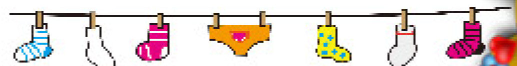
صد شکر کہ بدلی حکومت، مسئلے کا نکلا حل

اب پڑ گئی ہے ٹھنڈ، جو چاہا فٹافٹ ہوگیا

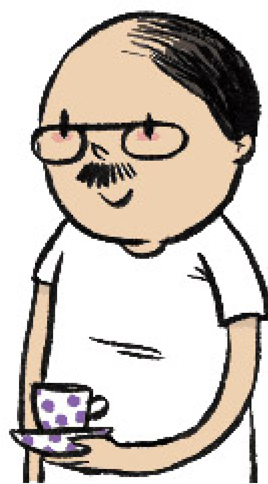
مہنگی تھی بجلی اِس قدر، بارہ روپے یونٹ تھا کل

اب اِس قدر سستی ہوئی، باون کا یونٹ ہوگیا









کس لیے سچائیوں سے کوئی اپنے جسم کی ہر رگ بھرے
سارے ہی سسٹم ہیں اب کے بگ بھرے

جب کوئی آئے، عجب سرشاریوں کی کیفیت میں ہو مگر
جب ترے کوچے سے نکلے، اضطراری کیفیت میں لمبے لمبے ڈگ بھرے

ذکرِ لیلیٰ سے میاں مجنوں نے بھر لی تو ندا پنے ذوق کی
جس طرح انگوٹھیوں میں نگ بھرے

عشق کیا ازدواجی چو مکھی لڑنے لگے
گوشۂ تنہائی میں ہم جا کے بیٹھے، لے کے جب چائے کے دونوں مگ بھرے



بن کے بیٹھے ہیں اگرچہ فاختائیں امن کی باہم فریق
دونوں کے لہجے ہیں لیکن سگ بھرے

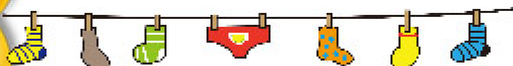
کیا ستم ہے، ہر زمانے کے وہی ہیں چودھری
جن لکوتوں کی وجہ سے آتش وخوں سے یہ سارا جگ بھرے

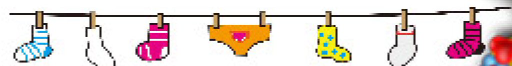
بین الاقوامی بھکاری ہیں، ہمارے ہاتھ میں کشکول ہے
اور سر ہیں پگ بھرے

لیڈرانِ قوم ہیں۔۔۔وہ تو کسی کو بھی نہ دیں اپنا بخار
ہاں مگر در کارِ اُن کو کارکن سب یگ بھرے

حسن کے لشکاروں نے کتنوں کو اندھا کر کے رکھ ڈالا ظفرؔ
جس طرح آنکھوں میں مرچیں ٹھگ بھرے









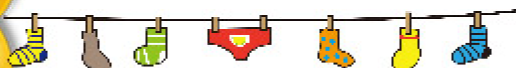


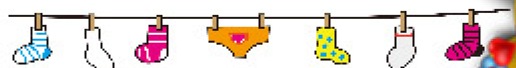
سچ پر کیونکر ہو جاتی ہے سب کی رائے گڈمڈ گڈمڈ
میں بھی شش و پنج میں کیوں ہوں، آپ بھی وائے گڈمڈ گڈمڈ

دودھ میں پانی تھا یا نہیں تھا، ہم نے یہ تو پوچھا نہیں تھا
دودھ میں پانی تھا تو کیا؟ بنی ہے چائے گڈمڈ گڈمڈ

اب صنفی بے راہ روی کی اُلٹی گنگا بہہ نکلی ہے
آج کی میڈم ڈرٹی ہیری، آج کا گائے گڈمڈ گڈمڈ

یہ ہے صحافت، اِس میں صداقت ہوتی ہے مرہونِ وضاحت
تیرا بیاں بھی اکڑ بکڑ، میری بھی رائے گڈمڈ گڈمڈ







وعدے عذر کے ہینگر پر ہیں، قسمیں مجبوری کے سر ہیں
آپ نے کر کے رکھ ڈالے ہیں کئے کرائے گڈ مڈ گڈ مڈ

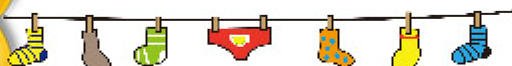
ایک ہے لیڈر، ایک قصائی، پر یہ بات سمجھ نہ آئی
ذکر ہو جب بھی اِس کا، اُس کا، ہو ہو جائے گڈ مڈ گڈ مڈ

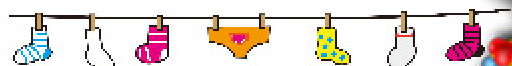
چکرم ہی کب نظروں میں ہیں اور بھی خاصے خبروں میں ہیں
سیدھے سادے لوگوں کے اعمال بھی پائے گڈ مڈ گڈ مڈ

عقل کچھ ایسی الٹی سالی، کھانے والی آنکھ میں ڈالی
''انہے وا'' یوں کرنی کب تھی یوز دوائے گڈ مڈ گڈ مڈ

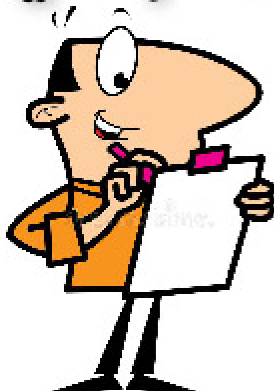
پوچھوں کیا نقاد سے کیا نی اُس کی کون سی کل ہے سیدھی
لگتے ہیں خود اپنے سخن کے ہی پیرائے گڈ مڈ گڈ مڈ







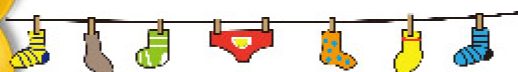
چند رُباعیاں

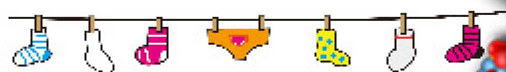


اندھے نے گھما دینی ہے، مل جائے جو ڈانگ
یہ اس کی بلا جانے کہ رائٹ ہے یا رانگ
رائے سے رجوع کرنا کہاں آتا ہے
بگلے کا تو محور ہے فقط ایک ہی ٹانگ



آپس میں وہی تذکرے کے لائق ہیں
لائق ہی نہیں ساتھ میں وہ فائق ہیں
کنفرم پڑھے لکھے ہیں کیا نی صاحب
انگریزی کی فلموں کے اگر شائق ہیں







اِس حکم کو اب خلق روا بھی نہ کہے
جو چاہے کریں، ان کو برا بھی نہ کہے
دولتی جمانے کا بھی وہ شوق رکھیں
اور اِس پہ انہیں کوئی گدھا بھی نہ کہے



پانی کبھی بادہ نہ دکھائی دے گا
ایسا دلِ سادہ نہ دکھائی دے گا
جو ہے وہی دیکھو گے منعک ہو کر
پہلے سے زیادہ نہ دکھائی دے گا



کھاتے رہیں وہ ماحضرِ ممنوعہ
اٹھے نہ کبھی ان پہ نظرِ ممنوعہ
مخلوقِ خلائی ہے اسی کوشش میں
ہو جائیں الیکشن شجرِ ممنوعہ



چوری کی رپٹ تھانے جو لکھوائے گا
نقصان سوا چوری سے بھی پائے گا
جو بچ گیا چوروں سے وہ گھر کا ساماں
چوری کے اسی کیس میں لگ جائے گا



چلتا نہیں یوں کام چلا لینے سے
دِل سے ہی دسمبر کو لگا لینے سے
یہ بات کسی کی وہ کہاں سمجھا ہے
مر جاتا نہیں کوئی نہا لینے سے



سیل فون کو کانوں سے لگا کر پگلا
بیٹھا رہے اِک ٹانگ پہ کب تک بگلا
سمجھو کہ اسے اور نہیں کچھ کہنا
جب کہنے لگے ''اور سناؤ'' اگلا



ہوں گے کہاں ہم جیسی بلاؤں کی طرح
پرہیز کو لیتے ہیں سزاؤں کی طرح
سب ویسے "وفادارِ مرض" ہوتے ہیں
کھاتے ہیں دوائیں بھی غذاؤں کی طرح



کانٹے ہیں تو رستے سے ہٹا دے کوئی
جو بنتی ہے قیمت وہ چکا دے کوئی
اپنا تو الیکشن میں یہی دھندہ ہے
ہوتے ہیں کھڑے یوں کہ بٹھا دے کوئی



کھانے کا جو پوچھو تو سبھی چیتے ہیں
پیتے ہوئے دیکھو تو لہو پیتے ہیں
وہ قرض اڑانے کے لئے ہیں لیڈر
ہم قرض چکانے کے لئے جیتے ہیں



اٹکائے ہوئے ہے یونہی کوئی ناکہ
روکے ہے پلسیا ہمیں مونچھوں والا
کھسکا دیں اگر نوٹ کسی مٹھی میں
مل جائے گا گھر جانے کا ہم کو ویزہ



دل ہے کہ کبھی کا ہے مرا ایک شدہ
آنکھیں ہیں کہ تا دیر مری ہیک شدہ
گزری کوئی کالج کی زنانہ بس ہے
یا حسن کسی ڈبے میں ہے پیک شدہ



شوباز حکومت رہی نامردی میں
اِس ملک کا کونڈا کیا بیدردی میں
پہلے تو فقط بوٹ پہن رکھے تھے
اب ڈیموکریسی بھی ہے فل وردی میں



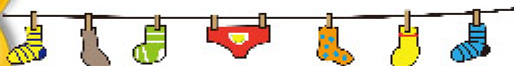
برتاؤ ترا فدوی سے رف ہے جاناں
اسٹارٹ ہمیشہ بے سلف ہے جاناں
گفتار میں کردار میں ویسی ہے اکڑ
جیسے تیرے کپڑوں میں کلف ہے جاناں

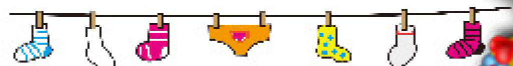


اقدارِ مقدس کا میں محرم ٹھہرا
بیگم سے مگر جھوٹ بھی پیہم ٹھہرا
مانا کہ ہے سچ بولنا لازم لیکن
جاں اپنی بچانا بھی مقدم ٹھہرا

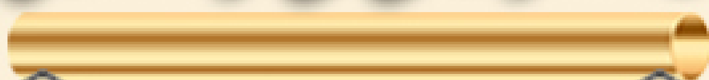


کچھ اور بھی دردیلی کہانی ہو گی
گفتار ہی گالی کی زبانی ہو گی
شامت ہے معیشت کی ڈرائیور کیانی
سو تیرے گیئر پہ گرانی ہو گی





نوید ظفر کیانی کی مزید کتابیں



- ڈنکے کی چوٹ
- ڈھول کا پول
- کھری کھری
- زباں درازیاں
- ارے!
- دگڑ دگڑ
- قلم مستیاں
- کچھ میٹھا ہو جائے
- جہانِ دگر
- اور بارش ہو
- میں اور چراغ
- مہمان
- اِس طرح تو ہوتا ہے
- تخلئے کے رنگ

مکتبۂ ارمغانِ ابتسام